فتنۂ انکارِ حدیث



مفتی اعظم حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ
لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ

فتنۂ
انکارِ
حدیث

مکتبۂ فاروق

حجیۃ الحدیث پر مبسوط بحث

سوال ۔ آج کل انکارِ حدیث کا فتنہ روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس کا قلع قمع کرنا اور عوام کو ایسے فتنوں سے محفوظ رکھنا علمائے وقت ہی کا فریضہ ہے۔ لہٰذا استدعا ہے کہ حجیۃ الحدیث سے متعلق سیر حاصل بحث فرما کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں گے وَاللّٰہُ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ط

الجواب ومنه الصدق والصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا — عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

عبد اللہ چکڑالوی نے سب سے پہلے انکارِ حدیث کا فتنہ برپا کر کے مسلمانانِ عالم کے قلوب کو مجروح کیا۔ مگر یہ فتنہ چند روز میں اپنی موت خود مر گیا۔ حافظ اسلم جیراج پوری نے دوبارہ اس دبے ہوئے فتنہ کو ہوا دی اور بجھی ہوئی آگ کو دوبارہ جلا کر عاشقانِ شمعِ رسالت کے جروح پر نمک پاشی کی اور اب غلام احمد پرویز بٹالوی نگران رسالہ "طلوعِ اسلام" اس آتش کدہ کی تولیت قبول کر کے رسول دشمنی پر کمربستہ ہے اور کیوں نہ ہو جب کہ قادیان اور بٹالہ دونوں ایک ہی ضلع میں واقع ہیں۔ بلکہ بٹالہ بوجہ تحصیل ہونے کے قادیان پر ایک قسم کی مرکزی فوقیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے اگر غلام احمد بٹالوی غلام احمد قادیانی سے رسول دشمنی میں ایک دو درجے اوپر چڑھ جائے تو کوئی بعید نہیں۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نام نہاد غلاموں نے بموجب مقولہ مشہورہ "برعکس نہند نامِ زنگی کافور" سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دنیا میں بغاوت کا علم بلند کیا۔ رسول دشمنی پرویز (علیہ ما علیہ) کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور یہ امتیازی شان اس کے منحوس نام کا اثر ہے وہ سیاہ بخت کسریٰ جس نے سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نامۂ مبارک کو بہت پیچ و تاب کھا کر پھاڑ ڈالا تھا وہ بھی پرویز کہلواتا تھا پرویز (علیہ ما علیہ) کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسریٰ پرویز کا رسول دشمنی جیسے ناقابلِ معافی جرم میں نہ صرف تاج و تخت کھو بیٹھا بلکہ سارا خاندان تباہ و برباد ہو گیا۔ یہ تو دنیا کا معاملہ ہے جو دارِ جزا نہیں وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ط وہ دن دور نہیں جس کے متعلق ارشاد ہے۔

وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ — جس روز ظالم (غایتِ حسرت سے) اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا

يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا (۲۵-۲۷) اور کہے گا کیا اچھا ہوتا کہ میں رسول کے ساتھ (دین کی) راہ پر لگ چلتا۔

چودھویں صدی کے پرویز کو بھی اپنی سیاہ کاریوں کے تلخ ثمرات سے خائف رہنا چاہئے فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (خسر الدنیا والآخرۃ)

پروفیسر امین الدین صاحب روزنامہ تسنیم لاہور، ۲۰ مارچ ۵۵ء میں تحریر فرماتے ہیں: "یہ نیا فتنہ لاہور کے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے زیر اہتمام سرکاری امداد کے بل بوتے پر پروان چڑھایا جا رہا ہے۔ یہ وہی ادارہ ہے جس کا ذکر گذشتہ دنوں قومی اسمبلی میں ہمارے ملک کے وزیر تعلیم نے فرمایا تھا اور اس کے بعد مغربی پاکستان کے بجٹ میں اس کے لئے پچیس ہزار روپے کی گرانقدر امداد کا انتظام بھی فرمایا گیا ہے"۔

مُفسد کون ہے؟

موجودہ فضا میں جو شخص بھی کسی ایسے ضروری اور اہم مضمون پر قلم اٹھاتا ہے جو خواہشات نفسانیہ کے خلاف ہو یا اس میں کسی ناپاک فتنے کو دبانے کی کوشش کی گئی ہو اور کسی دشمن اسلام کی بدعنوانیوں کی صدائے بازگشت ہو تو بلا امتیاز حق و باطل اسے مُفسد اور مُفتن کہا جاتا ہے۔ قابل غور یہ امر ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چودہ سو سالہ مشہور عالم ادارہ کی رکنیت قبول کرے۔ اس ادارہ کے ارکان سابقہ علم و فراست، عملی جدّ و جہد و اخلاص میں یکتا ہوں جن کی محیّر العقول مساعی اور شبانہ روز انتھک تگ و دو سے اس ادارہ کا نام چار سو آفاق عالم میں چمکنے لگا ہو اب یہ جدید رکن کہے کہ ادارہ کے سابقہ ارکان سب کے سب جاہل اور قوانین سے ناواقف تھے یا ان میں اخلاص نہیں تھا۔ یا سب کے سب خائن تھے یا ان میں عملی اقدام نہ تھا۔ وہ سب قوانین جن پر چودہ سو سال تک عمل ہوتا رہا سراسر غلط ہیں میں انہیں قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ادارہ میں قانون وہ جاری ہو جو میں بناؤں اور اس کی فلاح اسی میں ہے جو میں کہوں، فکر صائب صرف وہی ہے جو میرے دماغ میں آئے اور نظریہ صرف وہی درست ہے جو میں پیش کروں تو کیا ایسا رکن ادارہ کا خیرخواہ ہے یا بدخواہ؟ اور مصلح ہے یا مفسد؟ ادارہ کے ارکان سابقہ میں سے اگر کوئی رکن اس جدید روشن خیال کو سمجھائے اور اس کے خرافات کا جواب دے تو کیا اس کے فعل کو فتنہ اور فساد سے تعبیر کیا جائے گا۔ یا کہ امن اور اصلاح سے؟ بعینہ یہی مثال غلام احمد پرویز کی ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک دین کا مدار دو ہی چیزیں رہی ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دو ستونوں پر دین کی عمارت ٹھیری ہوئی ہے۔ خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمہ کرام، محدثین

فقہاء، صوفیہ اور تمام عالم اسلام کے علماء سنت نبویہ کو دین میں حجت مانتے آئے ہیں۔ مگر غلام احمد پرویز کا خیال ہے کہ اب امت مسلمہ کو قرآن کی وہ تفسیر اور تعبیر قبول کرنی چاہئے جس پر میرے نام کی چھاپ لگی ہوئی ہو۔ میری تفسیر، تعبیر، تشریح کے علاوہ جو کچھ ہے وہ ملا ازم ہے عجمی سازش ہے۔ جہل اور نادانی ہے۔ اب تک قرآن کو ٹھیک طور پر سمجھا کہاں گیا ہے۔ بڑے بڑے علماء حدیث اور فقہ میں الجھے رہے بلکہ قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے۔ یہ عجمی سازشی قتادہ، حسن، مجاہد اور عکرمہ جیسے مفسرین کی قرآن ہی سند قبول کرتے تھے اور میں نے ان تمام مفسرین کے علی الرغم عبد اللہ چکڑالوی۔ سرسید احمد خان اور اسلم جیراج پوری سے فیض حاصل کیا ہے۔ لہٰذا قرآن کی تفسیر وہ معتبر ہے جو میں کرتا ہوں۔ قرآن کو ان عجمی سازشوں سے نجات دلانے اور مظلومیت سے چھڑانے والو آؤ، بھاگتے ہوئے آؤ اور میرے ارد گرد جمع ہو جاؤ۔ یہ نیچے اڑا دو تفسیر ابن کثیر کے پارہ پارہ کر دو۔ بیضاوی، ابن جریر اور اتقان کو۔ معارف القرآن پڑھو۔ اللہ کی آیات کا صحیح مفہوم اسی ہی مل سکتا ہے۔

پرویز لکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور احادیث دین میں حجت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو رواج دے کر جو دین میں حجت ٹھہرایا گیا ہے یہ دراصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ پرویز خاک بدہن گستاخ نے جن نفوس قدسیہ کی طرف عجمی سازش کو منسوب کیا ہے یہ وہ پاک روحیں ہیں جن کو بڑے سے بڑے جابر اور ظالم حاکموں کا ظلم و استبداد کلمہ حق سے روک نہ سکا جنہوں نے کوڑے کھائے، مصیبتیں جھیلیں۔ دار کے تختوں پر لٹکے تیغوں کے سایوں میں اور توپوں کی گرجوں میں اعلائے حق کی خاطر جانیں قربان کر دیں۔ کوئی خوف انہیں مرعوب نہ کر سکا، اور نہ ہی کوئی بڑی سے بڑی طمع اور دنیا کا لالچ انہیں رام کر سکا ؎

ٹل نہ سکتے تھے جو میدان میں اڑ جاتے تھے پاؤں شیروں کے بھی میداں سے اکھڑ جاتے تھے
تجھ سے سرکش ہوا کوئی تو بگڑ جاتے تھے تیغ تو کیا چیز ہے ہم توپ سے لڑ جاتے تھے

نقش توحید کا ہر دل پہ بٹھایا ہم نے
زیر خنجر بھی یہ پیغام سنایا ہم نے

یہ ایسے نفوس قدسیہ تھے جن کی عبادت پر فرشتوں کو رشک تھا جن کے دامن ملائکہ کے لئے مصلے بن سکتے تھے۔ جن کی پاکبازی کی قسم کھا جا سکتی ہے جن کے جسم رات بھر بستروں سے علیحدہ رہتے تھے جنہوں نے برسوں عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھی اور خشیت الٰہیہ نے جن کے لئے دنیا کی تمام تر لذتوں کو یکسر بے کیف کر ڈالا تھا۔ جو شخص خاک بدہن گستاخ ان سعید روحوں کو قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والا کہتا ہے۔ اگر

اس کی تحریروں کی وجہ سے عالمِ اسلام اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت جوش میں آجائے تو فتنہ وفساد اور بدامنی کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی ؟

ناپاک عزائم

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف انکارِ حدیث تک محدود نہیں بلکہ یہ لوگ (علیہم ما علیہم) اسلام کے سارے نظام کو مخدوش کر کے ہر امر و نہی سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ، تعدادِ رکعات، فرائض اور واجبات کی تفاصیل۔ صوم و صلوٰۃ کے مفصل احکام حج کے مناسک، قربانی۔ بیع و شراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ پرویز (علیہ ما علیہ) ان سب تفصیلات اور پورے نظام کو یکسر بدل ڈالنا چاہتا ہے۔ باقی رہا قرآن سو اس میں بھی من مانی تفسیر کر کے حقیقی مطالب اور مرادِ الٰہی کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اہل قرآن کہلواتے ہیں اور بظاہر قرآن کی تائید میں مضامین بھی لکھتے ہیں لیکن حقیقت میں انہوں نے مارِ آستین بن کر قرآن کے مفہوم کو فنا کر دیا ہے یہی نہیں بلکہ قرآن کی حقانیت کو مخدوش کر رہے ہیں۔ صحابہ، تابعین، محدثین اور فقہاء بقول پرویز بزعمِ خاک بدہن گستاخ قرآن کے خلاف سازشیں کرنے والے اور قرآن کے دشمن تھے تو انہی اسلاف کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچے ہوئے قرآن کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ؟

گندگی چھپی نہیں رہتی

مشہور ہے کہ گندگی چھپی نہیں رہتی۔ کیوں کہ اس کی بدبو ہی اس کی غمازی کرتی ہے۔ منکرینِ حدیث کی تحریروں کے چند جملے ملاحظہ ہوں :۔

① منکرینِ حدیث ایک جدید اسلام کے بانی ہیں (رسالہ طلوعِ اسلام ص ۱۹، اگست دسمبر ۱۹۵۲ء)

② بالکل واضح ہے کہ اللہ اور رسول سے مراد "مرکزِ حکومت" ہے (معارف القرآن ص ۶۵۴ ج ۴)

③ دین نے قیامِ صلوٰۃ کا حکم دیا تھا۔ مذہب میں یہ چیز نماز پڑھنے کے مرادف بن گئی (پرویز طلوعِ اسلام ص ۴۶ جون ۱۹۵۰ء)

④ مرکزِ ملت کو ان میں (جزئیاتِ نماز میں) تغیر و تبدل کا حق ہوگا (پرویز، طلوعِ اسلام ص ۴۷، جون ۱۹۵۰ء)

⑤ میرا دعویٰ تو صرف اتنا ہے کہ فرض صرف دو نمازیں ہیں جن کے اوقات بھی دو ہیں۔ باقی سب نوافل، (عباد اللہ اختر۔ طلوعِ اسلام ص ۵۸ اگست ۱۹۵۰ء)

⑥ پھر آج کل مسلمان دو نمازیں پڑھ کر کیوں مسلمان نہیں رہ سکتا (لاہوتی۔ طلوعِ اسلام ص ۱۰۱ اگست ۱۹۵۰ء)

⑦ مذہب میں نماز، روزہ، صدقہ، خیرات اسی خوشامدانہ مسلک (یعنی منافقانہ زندگی کے خوشامدانہ مسلک) کے مظاہر بن جاتے ہیں (پرویز۔ طلوعِ اسلام جنوری، فروری ص ۱۰۸، ۱۹۵۰ء)

⑧ حج ایک بین الملّی کانفرنس ہے اور حج کی قربانی کا مقصد بین الملّی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کیلئے خورد ونوش کا سامان فراہم کرنا ہے۔ مکّہ معظمہ میں حج کی قربانی کے سوا اضحیہ (عید کی قربانی) کا کوئی ثبوت نہیں وغیرہ۔

(رسالہ قربانی از ادارہ طلوع اسلام)

⑨ عید کے دن بارہ بجے تک دس کروڑ روپے کا قومی سرمایہ ضائع ہوجاتا ہے اور یہ دس کروڑ ہر سال ضائع ہوتے ہیں۔ (رسالہ قربانی)

⑩ عید کی صبح بارہ بجے تک قوم کا کس قدر روپیہ نالیوں میں بہ جاتا ہے (ادارہ طلوع اسلام ص استمبر ۱۹۵۰ء)

⑪ روایات (احادیث نبویہ) محض تاریخ ہیں (پرویز۔ طلوع اسلام جولائی ص ۴۹۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

⑫ الغرض حدیث کا صحیح مقام دینی تاریخ وغیرہ کا ہے۔ اس سے تاریخی فائدے حاصل کئے جاسکتے ہیں لیکن دینی حجّت کے طور پر نہیں پیش کی جاسکتی (اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۳، نومبر ۱۹۵۰ء)

⑬ حدیثیں ظنی ہیں (مقدمہ اول) ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (مقدمہ دوم) نتیجہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے (اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۷۔ جولائی ۱۹۵۰ء)

⑭ بخلاف اس کے نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے؛

(اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام ص ۱۱، دسمبر ۱۹۵۰ء)

⑮ حدیث کا پورا سلسلہ ایک عجمی سازش تھی اور جس کو شریعت کہا جاتا ہے وہ بادشاہوں کی پیدا کردہ ہے۔ (پرویز۔ طلوع اسلام ص ۷، اکتوبر ۱۹۵۲ء)

⑯ صرف مردار، بہتا خون، خنزیر اور غیر اللہ کے نام کی طرف منسوب چیزیں حرام ہیں۔ ان کے علاوہ اور کچھ حرام نہیں بلکہ محمد صبیح ایڈوکیٹ لکھتا ہے کہ مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کردینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے (طلوع اسلام جون ۱۹۵۲ء)

یعنی کتّا، گدھا، گیدڑ، بلّی، چیل حتی کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا[1] فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرینِ حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر شبانہ روز مذکورہ چیزیں مزے لے لے کر کھاتے ہوں گے۔ سوّد اللہ تعالیٰ وجوھھم؛

دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھڑانے والا پنجہ مروڑ دیا جائیگا

اکتوبر ۱۹۵۲ء کے رسالہ طلوع اسلام سے معلوم ہوتا ہے کہ پرویز (علیہ ما علیہ) کی پنشن

[1] اس کا جواب آپ کو آئندہ صفحات میں ملیگا ۱۲ منہ

کا زمانہ قریب ہے اور اس کو اتنی پنشن مل سکتی ہے کہ وہ معاش کی طرف سے بے فکر ہو جائے اب اس کو چند راز داں بھی ہاتھ آ گئے ہیں۔ لہذا پرویز (علیہ ما علیہ) اب اس مشن (انکارِ حدیث) کو پوری تنظیم کے ساتھ چلانے کا ارادہ کر رہا ہے۔

لہذا ہم پرویز (علیہ ما علیہ) کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر تمہارے یہی عزائم اور حوصلے ہیں تو بسم اللہ۔ ہم اس چیلنج کو قبول کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کے فدائی سرورِ کائنات کی سنت اور اسوۂ حسنہ کے شیدائی اللہ کے فضل سے ابھی زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ ہمارے ہاتھوں سے دامنِ رسول چھڑانے کیلئے آگے بڑھنے والا پنجہ مروڑ دیا جائے گا۔ طریقِ رسالت میں اٹکنے والا روڑا بوٹ کی نوک سے ٹھکرا دیا جائے گا۔ رسول دشمنی کا حوصلہ رکھنے والے گروہ کے پرخچے اڑا دئے جائیں گے اور راہِ رسول میں کانٹے بچھانے والے چودھویں صدی کے ابولہب کو اپنی سیہ کاریوں کا نتیجہ دنیا ہی میں بھگتنا پڑے گا۔ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قرار دادِ مقاصد میں کتاب اللہ کے ساتھ جو سنت کا لفظ بھی شریک کر دیا ہے۔ اس پر پرویز (علیہ ما علیہ) بہت خفا ہے۔ متواتر چیخ چیخ کر پکار رہا ہے اور دہائی دے رہا ہے کہ قرار دادِ مقاصد سے سنتِ نبوی کو حذف کر کے صرف کتاب اللہ کو باقی رکھا جائے۔ یہ دریدہ دہن پاکستان میں بہت بڑے فتنہ کا دروازہ کھولنا چاہتا ہے اور حکومت کو مشورہ دیتا ہے کہ دین کے اصل الاصول اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدہ کو یکسر ٹھکرا دیا جائے۔

ہمیں یقین ہے کہ پاکستان کے اربابِ حل وعقد کے سامنے ایسی مفسدانہ آوازیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اگر بفرضِ محال دستور ساز اسمبلی نے قرار دادِ مقاصد سے سنتِ نبویہ کو حذف کر ڈالا تو جس دن (خدا نہ کرے) یہ اعلان ہوگا۔ وہ دن پاکستان کی تاریخ میں شدید ترین کشمکش کا دن ہوگا۔ یہ باتیں اس مملکت میں نہیں چل سکتیں جو کتاب و سنت کے نام پر وجود میں آئی ہو مسلمان اس متاعِ بے بہا کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمارے اندازِ تحریر سے کسی صاحب کو درشتی کا شکوہ نہ ہو کیوں کہ یہ منکرینِ حدیث حقیقت میں منکرینِ اسلام ہیں۔ یہ کفر اور ایمان کا سوال ہے ہم ان پر ذرہ برابر بھی نرمی کرنا روا نہیں سمجھتے۔ ہماری ان سے جنگ ہے اور اس کی ابتدا ہم نے نہیں کی۔ انہوں نے کی ہے، انہوں نے ہی پہلے فتنہ کی آگ کو بھڑکایا ہے۔ پس ہم بھی اس فتنہ کو کچلنے کے لئے اپنی تمام تر قوتیں صرف کر دیں گے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حیات ہماری جان اور ایمان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور کام کی حفاظت کے لئے اپنی جان قربان کر دینا ہم انتہائی سعادت سمجھتے ہیں ؎

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منکم وقاءُ

حق تو یہ ہے کہ اس قسم کے ملحدوں کو تہ تیغ کر کے انہیں ان کے کردار کا مزہ چکھا دیا جائے مگر شریعت

غرباء کی حفاظت اور راحتِ مسلمہ کے امن کی خاطر بموجب قانونِ الٰہی کسی ملحد کو موت کے گھاٹ اتار کر اس کے وجودِ نامسعود سے دنیا کو پاک کر دینا تو درکنار یہاں تو اس قسم کے ملحدین کے متعلق لب کشائی کرنا اور صدائے احتجاج بلند کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے ؎

یہ دستورِ زباں بندی عجب ہے تیری محفل میں یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

دنیا میں بڑے سے بڑا احمق پڑا ہوا ہے

پرویز علیہ ما علیہ اپنے عقیدتمندوں پر نازاں ہے، عقیدتمندوں کا جمع ہوجانا حقانیت کی دلیل نہیں۔ اس دنیائے خیر و شر میں کوئی ایسا پلیٹ فارم نہیں جس پر اجتماع نہ ہوا ہو ہر آواز پر کچھ نہ کچھ لوگ جمع ہوجاتے ہیں۔ ہم نے دیوانوں اور پاگلوں کے پیچھے عقیدت مندوں کی ٹولیوں کو ہاتھ باندھے ہوئے دیکھا ہے۔ ہماری ہی بستی میں ایک شخص ایک ہندو کا اس لئے عقیدت مند ہے کہ وہ ہندو پاگل ہے۔ جب قادیانی مجنوں (جو مراق کا خود اقرار کرتا ہے) کے پیچھے ہزاروں حمقاء جمع ہوسکتے ہیں تو بٹالوی منکرِ اسلام کے جھنڈے کے نیچے اگر چند بے وقوف اکٹھے ہوجائیں تو کیا تعجب ہے؟ دنیا میں بے وقوفوں کی کمی نہیں یہاں بڑے سے بڑا احمق پڑا ہوا ہے۔

خوفناک فتنہ کے مقابلہ میں کھڑے ہوجاؤ

ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں کہ چودھویں صدی کا ابولہب رسول دشمنی کے منصوبے کو جماعتی تنظیم کے ساتھ چلانا چاہتا ہے، لہٰذا اے شمعِ رسالت کے پروانو، سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیواؤ، محبوبِ دو عالم کی محبت اور عشق کے دعویدارو، شفیع المذنبین کی شفاعت کے طلب گارو، اٹھو دشمنانِ رسول کے مقابلہ کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔ بے غیرت ہے وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی آواز سنے اور اس کی حمیت بے چین نہ ہو بے ایمان ہے وہ سیاہ بخت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے کے منصوبے آنکھوں سے دیکھ رہا ہو اور اس کے دل پر چوٹ نہ لگے۔ ملعون ہے وہ مسلمان کہلانے والا جس کے روبرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اور اسوۂ حیات کو مٹایا جارہا ہو، مگر اس کی رگوں میں خون نہ گرمائے اور جسم کے رونگٹے کھڑے نہ ہوں۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اس شجرِ خبیث کی بیخ کنی کے لئے مستعد اور کمربستہ ہوجائے۔ اس فتنہ کو نرمی اور ملایمت سے رام نہیں کیا جاسکتا۔ اسے دبانے کے لئے پوری قوت اور شدت سے کام لینا پڑے گا۔ وہ اہلِ ایمان جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو عینِ ایمان جانتے ہیں ان کا فرض ہے کہ تقریروں، تحریروں، عام

محفلوں اور نجی صحبتوں میں اس فتنہ پر ملامت کریں اور ناواقف مسلمانوں کو اس بے دینی کے سیلاب سے بچائیں۔ یہ اختلاف مسلمانوں کے مختلف مسالک کے درمیان فروعی اختلافات جیسا نہیں یہ ایمان اور کفر کا اختلاف ہے۔ لہٰذا تمام تر جزئی اختلافات کو چھوڑ کر متحد محاذ قائم کرنا اور مسلمانوں کی جمیع جماعتوں کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اس فتنہ کا مقابلہ کرنا فرض ہے۔

اس کے بعد ہم حجیت حدیث پر مختصراً چند دلائل پیش کرتے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ دشمنانِ رسول کے مقابلہ میں کھڑے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے قل وجبریل معك اس لئے میں دشمنانِ رسول کے مقابلہ میں مضمون لکھتے وقت ہر لمحہ کو انتہائی سعادت اور خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی کا مذکورہ بالا ارشادِ گرامی جب آنکھوں کے سامنے آتا ہے تو دل میں وہی سُرور موجزن ہونے لگتا ہے جو حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قلب میں ہوتا ہوگا۔ اس لطف اور سُرور کے سامنے دنیا بھر کی لذتیں بے کیف اور بڑے سے بڑے مصائب اور رنج و غم کافور ہو جاتے ہیں۔ یہی اور صرف یہی ایک خدمت ہے جسے میں اوثق الاعمال اور ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں اور یہی ہدیہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں ع گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

آیاتِ بیّنات

① ـــ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا
وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسال کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② ـــ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکمِ الٰہی تھا حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

③ ـــ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ سے معلوم ہوا کہ پہلے رمضان کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی۔ قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔

④ ـــ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقعِ بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

⑤ ـــ قرآن کریم میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیتِ حدیث پر واضح دلیل ہے۔ جب انبیاء سابقین کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہیں؟

⑥ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے۔ جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب حجت اور واجب العمل ہے، حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالتِ رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے۔ مگر خلیل علیہ السلام کے مقامِ تسلیم و رضا و خلت کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی ناحال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو حکمِ الٰہی یقین کرتے ہوئے بغیر کسی قسم کے تردد کے تعمیلِ حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہوجاتے ہیں بلکہ لختِ جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی کے ساتھ شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور اسمٰعیل علیہ السلام کا "اِفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" کی بجائے مَا تُؤْمَرُ کہنا اور اللہ تعالیٰ کا قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ، وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ" سے تعبیر کرنا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبحِ ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

⑦ —— قرآن کریم میں جا بجا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ارشاد ہے۔ اگر نبی کا قول و فعل قابلِ اعتبار نہیں تو اَطِيْعُوا اللّٰهَ کے ساتھ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا قرآن میں کئی جگہ بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید سنائی گئی ہے۔

⑧ —— فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (۴-۵۹) اگر تم کسی چیز میں جھگڑا کرو تو اس کو اللہ اور رسول کے حوالے کر دیا کرو۔

⑨ —— لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ (۳-۱۶۴) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جبکہ ان میں ان ہی کی جنس سے ایک ایسے پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں۔

⑩ —— كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ (۲-۱۵۱) جیسا کہ ہم نے تمہاری جنس سے تم میں ایسے رسول کو بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور تمہاری صفائی کرتے ہیں اور تمہیں کتاب اور فہم اور ایسے علوم کی تعلیم دیتے ہیں جن سے تم ناواقف تھے۔

(۱۱) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (۲-۱۲۹) اے ہمارے رب ان میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجئے جو ان کو آپ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیں اور انہیں پاک کریں۔

(۱۲) هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۶۲-۲) اللہ تعالیٰ نے ناخواندہ لوگوں میں ان کی جنس سے ایسے رسول کو بھیجا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو صاف کرتے ہیں اور ان کو کتاب آسمانی اور فہم کی تعلیم دیتے ہیں۔

یہ آیات معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہیں۔ ان میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح محض بلاغ ہی نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلّم اور مسلمانوں کے لئے مزکّی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) آپ سے کسی آیت کے بارے میں کچھ دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تھے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش کر دیتے تھے؟ کیا یہ طریقِ تعلیم قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک معلّم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوتِ متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں۔ اور اگر کچھ دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے، اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلّم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے اور طلبہ کے اعتراضات و خدشات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ پرویز کہتا ہے کہ قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن میں صلوٰۃ و صوم، حج و زکوٰۃ وغیرہ کی تفاصیل کا کہاں ذکر ہے۔ اور اگر قرآن کی تفسیر کرنے کا کسی کو حق نہیں تو آپ نے "معارف القرآن" لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابلِ قبول نہیں اور اس گستاخ خاک بدہنش کی تفسیر قابلِ اعتبار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول و فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل قابلِ اعتبار نہیں تو معلّم الکتاب اور مزکّی کیسے ہوئے؟ اور پھر وَالْحِكْمَةَ کا عطف مغایرت کا مقتضی ہے، اسلئے مفسرین نے حکمت کی تفسیر حدیث سے کی ہے۔ نیز وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ میں نکرہ بعامل اس پر دال ہو کہ یہ علوم قرآن کے سوا کسی دوسری جنس کے ہیں۔ یہی حدیث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو قرآن کی تشریح اور تفصیل فرماتے تھے وہ اپنی ذات کی طرف سے نہ تھی بلکہ وہ بھی پروردۂ وحی و الہام ہوا کرتی تھی جیسا کہ آئندہ آیت سے ظاہر ہے۔

(۱۳) ـــــ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى (۳،۴:۵۳) آپ اپنی نفسانی خواہشات سے باتیں نہیں بتاتے۔ آپ کا ارشاد خالص وحی ہے۔

(۱۴) ـــــ فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى (۵۳-۱۰) اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے پر کچھ وحی نازل فرمائی۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حدیث وحی ہے۔

(۱۵) ـــــ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۴-۶۵) قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے اختلافات میں آپ کو فیصل نہ مان لیں۔ پھر آپ کے فیصلہ سے تنگدل نہ ہوں اور خوشی سے تسلیم کرلیں۔

(۱۶) ـــــ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۳۳-۲۱) تمہارے لئے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں بہترین نمونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام لفظوں میں بھیجے۔ اس نے خود نماز پڑھ کر زکوۃ دے کر، حج کر کے اور روزہ رکھ کر نہیں دکھایا۔ اس فریضہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انجام دیا۔ اس لئے فرمایا صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ

اللہ تعالیٰ کی ذات بیوی، بال بچوں اور شریک سے منزہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک، بچوں کی تربیت، دوستوں اور دشمنوں کے ساتھ برتاؤ کر کے دکھایا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو برت کر ایک نمونہ قائم کردیا ـــــ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قول و فعل اور زبان و عمل سے قرآن کی مفسر اور معلم تھی۔ گویا کہ آپ بولتا ہوا قرآن تھے۔ ع غاری نظر آتے تھے حقیقت میں تھے قرآن۔

(۱۷) ـــــ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (۱۲-۱۰۸) آپ فرمادیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اس طور پر کہ میں اور میرے متبعین دلیل پر قائم ہیں۔

(۱۸) ـــــ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (۳-۳۱) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو۔

(۱۹) ـــــ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۴-۶۴) ہم نے ہر رسول اس لئے بھیجا تاکہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

(۲۰) ـــــ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ (۳-۵۰) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۲۱) ــــ وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۴-۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

(۲۲) ــــ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (۲۴-۵۴) اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

(۲۳) ــــ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ (۲۰-۹۰) میرا اتباع کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو۔

(۲۴) ــــ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (۳۳-۳۳) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو

(۲۵) ــــ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئًا (۴۹-۱۴) اگر تم اللہ اور رسول کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال میں ذرا بھی کمی نہ کریں گے۔

(۲۶) ــــ اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ (۸-۲۴) اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔

(۲۷) ــــ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (۳-۵۳) اے ہمارے رب ہم تیرے نازل کئے ہوئے احکام پر ایمان لائے اور ہم نے رسول کا اتباع کیا

(۲۸) ــــ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (۷-۱۵۸) آپ فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

(۲۹) ــــ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲۱-۱۰۷) ہم نے آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔

(۳۰) ــــ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۳۴-۲۸) ہم نے آپ کو ساری دنیا کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا۔

(۳۱) ــــ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۳۳-۴۰) آپ رسول اللہ اور خاتم النبیین ہیں۔

ان چاروں آیتوں میں واضح دلیل ہے کہ قیامت تک کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل حجت ہے۔ رحمت اور بشیر و نذیر تب ہی ہو سکتے ہیں کہ آپ مزکی ہوں اور آپ کا قول و فعل حجت ہو۔

(۳۲) ــــ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ (۲۶-۱۹۵) قرآن آپ پر اس لئے نازل کیا گیا تاکہ آپ لوگوں کو ڈرائیں۔

(۳۳) ــــ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴-۱۶۵) رسولوں کو بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا گیا۔

(۳۴) ــــ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا (۳۳-۴۶) ہم نے آپ کو شاہد، بشیر اور نذیر، اللہ کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

(۳۵) — يَاأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (۴-۱۷۴)
اے لوگو، تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل اور ظاہر نور آچکا ہے۔

(۳۶) — قَدْ جَاءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُّبِينٌ (۵-۱۵) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور ظاہر کتاب آچکی ہے۔

(۳۷) — وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا (۳۳-۳۶) مومن مرد یا عورت کو لائق نہیں کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کو رد کر سکیں جس نے اللہ اور رسول کی نافرمانی کی وہ ظاہر گمراہی میں ہے۔

(۳۸) — وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ (۴۴/۱۶)
ہم نے آپ پر قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس کی تشریح فرمائیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین اور تشریح ہے۔ ذکر سے مراد قرآن۔ بیان سے حدیث اور تفکر سے مراد اجتہاد و استنباط ہے۔

(۳۹) — فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ (۴۴/۱۴)
قیامت کے دن کفار کہیں گے کہ اے رب ہمیں کچھ مہلت ملے تو ہم آپ کی اور رسولوں کی اطاعت کریں۔

(۴۰) — فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۶۳/۲۴)
رسولوں کے نافرمانوں کو دنیوی اور اخروی عذاب سے ڈرنا چاہئے۔

(۴۱) — وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا (۲۵-۲۷)
جس روز ظالم حسرت سے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا کاش میں رسول کا اتباع کر لیتا۔

(۴۲) — يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ (۴-۴۲) قیامت کے دن رسول کے نافرمان تمنا کریں گے کہ کاش مٹی ہو جائیں۔

(۴۳) — يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا (۳۳-۶۶)
دوزخی کہیں گے کہ کاش ہم اللہ اور رسول کی اطاعت کر لیتے۔

ہم پرویز کو بطور خیر خواہی کے مشورہ دیتے ہیں کہ اس عذاب اور رسوائی سے پہلے رسول دشمنی سے تائب ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے۔

(۴۴) — قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۹/۲۹)

ایسے لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اللہ و رسول کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے۔

اس آیت کے حکم کے بموجب حکومت اسلامیہ پر فرض ہے کہ بذریعۂ قتال پرویز کی بیخ کنی کرے۔

(۴۵) يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ (۷-۱۵۷) رسول پاکیزہ چیزوں کو حلال اور خبیث چیزوں کو حرام کرتا ہے۔

(۴۶) وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ (۹-۵۹) اگر یہ لوگ اللہ اور رسول کے دیے ہوئے پر راضی رہتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔

(۴۷) وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ (۴-۱۵۰) کفار اللہ اور رسول کی اطاعت میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔

(۴۸) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ○ (۴۹-۲) اگر تم رسول کی آواز پر اپنی آواز بلند کروگے تو تمہارے اعمال ضائع جائیں گے۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کا بلند کرنا جب اعمال کی بربادی کا باعث ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے کو مقدم رکھنا اعمال کی تباہی کا سبب کیوں نہ ہوگا؟

(۴۹) النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ (۳۳-۶) نبی مومنین کے ساتھ خود ان کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتا ہے۔

(۵۰) إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (۴-۱۰۵)
ہم نے آپ کی طرف قرآن اس لئے نازل کیا تاکہ آپ لوگوں میں حکم الٰہی سے فیصلہ کریں۔

(۵۱) مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (۵۹-۷) رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور جس چیز سے رسول صلے اللہ علیہ وسلم روکیں اس سے باز رہو۔

اسلم جیراجپوری کہتا ہے، مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ الخ مال غنیمت کے ساتھ خاص ہے رسول اللہ کی احادیث اور ہدایات اس میں شامل نہیں اور دلیل میں ایک مضحکہ انگیز بات کہتا ہے کہ حدیثیں چونکہ اقوال ہیں اس لئے ان پر ایتاء کا لفظ اطلاق نہیں ہوسکتا۔ یہ نتیجہ ہے رسول دشمنی کا کہ خود قرآن میں تحریف کرنے لگے۔ قرآن مجید میں کتاب، حکمت، علم، فضل، رحمت، عذاب وغیرہ

پر ایتاء کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔ وَاٰتٰنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِہٖ۔ فَلَمَّآ اٰتَوْہُ مَوْثِقَهُمْ۔ فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ۔ وَاٰتَیْنٰهُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ۔ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔

رسول دشمنی کے جرم میں عقل اور فہم تو مسخ ہو ہی چکی تھی۔ اب حافظہ کا بھی دیوالہ نکل گیا۔ بلکہ آنکھیں بھی چندھیا گئیں۔ قرآن میں کوئی دس یا بیس مرتبہ نہیں بلکہ بار بار کئی جگہ کتاب علم اور حکمت کے متعلق ایتاء کا لفظ وارد ہوا ہے۔ مگر مہارتِ قرآنی کے مدعیوں کی بصیرت کے ساتھ ساتھ بصارت بھی مسخ ہو چکی ہے۔ اور وہ دن بھی دور نہیں جب کہ دشمنانِ رسول کی زبان پر رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْ اَعْمٰی وَقَدْ کُنْتُ بَصِیْرًا (اے اللہ مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا حالانکہ میں دنیا میں اندھا نہ تھا) کا ورد ہوگا۔ بفرض محال اگر مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ کا مالِ غنیمت کے ساتھ مخصوص ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ جب مالِ غنیمت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل تم بھی حجت مانتے ہو تو دیگر امور میں آپ کا اسوۂ حسنہ کیوں قابلِ اعتبار نہیں؟ مابہ الفرق کیا چیز ہے۔

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حجیتِ حدیث کا اثبات خود حدیث سے نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا مندرجہ ذیل احادیث مؤیدات کے باب میں سے ہیں۔

منکرینِ حدیث تاریخ سے استدلال کرتے ہیں اور حدیث تو بوجہ تنقید و تنقیح اسناد وغیرہ کے تاریخ سے بدرجہا قوی ہے۔ اثباتِ حجیتِ حدیث کے لئے تین قسم کے دلائل قطعی ہیں جن میں سے آیاتِ قرآنیہ اوپر گذر چکیں اور اجماع و عقلِ سلیم کا بیان احادیث کے بعد آئے گا۔

(۱) عن انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُؤْمِنُ احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔ (رواہ الشیخان)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو میرے ساتھ اپنی اولاد اور اپنے والد اور سب لوگوں سے زیادہ محبت نہ ہو جائے۔

محبت مستلزم ہے محبوب کی اطاعت کو ۔۵

نعصی الرسول وانت تظہر حبہ
لو کان حبک صادقاً لاطعتہ

ھذا لعمری فی الفعال بدیع
ان المحب لمن یحب مطیع

(۲) عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی خطبۃ یوم حجۃ الوداع، ایھا الناس انہ لا نبی بعدی ولا امۃ بعدکم فاعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شھرکم وادوا زکوٰۃ اموالکم طیبۃ بھا انفسکم واطیعوا ولاۃ امورکم تدخلوا جنۃ ربکم (مسند امام احمد)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی امت نہیں، تم اپنے رب کی عبادت کرو اور پانچ وقت کی نمازیں، رمضان کا روزہ اور کشادہ دلی سے زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور مسلمان حکام کی اطاعت کرتے رہو تو تمہارے لئے جنت ہے۔

(۳) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل امتی یدخلون الجنۃ الا من ابیٰ قالوا یا رسول اللہ ومن یابی قال من اطاعنی دخل الجنۃ ومن عصانی فقد ابیٰ۔ (رواہ البخاری)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری ساری امت جنت میں داخل ہوگی مگر جو انکار کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ انکار کون کرے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا۔

(۴) عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل ثم قال یا بنی وذلک من سنتی ومن احب سنتی فقد احبنی ومن احبنی کان معی فی الجنۃ (رواہ الترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ حتی الامکان کسی کے ساتھ بغض نہ رکھو پھر فرمایا کہ یہ میری سنت ہے جس نے میری سنت کو محبوب رکھا اس نے مجھے محبوب رکھا اور جس نے مجھ سے محبت رکھی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

(۵) عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعًا لما جئت بہ (شرح السنۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات میرے بتلائے ہوئے احکام کے تابع نہ ہو جائیں۔

(۶) علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میرے اور خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم پکڑو۔

(۷) ولو ترکتم سنۃ نبیکم لضللتم (مسند احمد بن حنبل و دارمی)

اگر نبی کا راستہ چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(۸) وجوب اتباع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما لم یوح الیہ من القرآن (مسند احمد بحوالہ مفتاح)

جو حکم قرآن میں مذکور نہ ہو اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع فرض ہے۔

(۹) ملازمۃ الرجل للکتاب والسنۃ (موطا امام مالک بحوالہ مفتاح)

قرآن وحدیث پر عمل کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) اثم الحائد عن السنۃ (دارمی بحوالہ مفتاح)

حدیث سے اعراض کرنے والا سخت گنہگار ہے۔

(۱۱) کان جبریل ینزل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

حضور پر جس طرح جبرئیل قرآن نازل کیا کرتے تھے اسی طرح حدیث بھی اللہ کی طرف سے نازل کیا کرتے تھے۔

(۱۲) السنۃ قاضیۃ علی القرآن (دارمی بحوالہ مفتاح)

حدیث قرآن کی تفسیر اور تشریح ہے۔

(۱۳) ملعون التارک لسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ترمذی بحوالہ مفتاح)

حدیث کو چھوڑنے والا ملعون ہے۔

(۱۴) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تمسک بسنتی عند فساد امتی فلہ اجر مائۃ شھید (بیھقی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جس شخص نے فتنہ کے زمانہ میں میری سنت کو مضبوط پکڑا اس کے لئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

(۱۵) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اکل طیبا وعمل فی سنۃ دخل الجنۃ الخ (ترمذی)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حلال کھانے والا اور حدیث پر عمل کرنے والا جنت میں جائے گا۔

(۱۶) عن ابی رافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ (ابوداؤد وترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے بھی پیدا ہوں گے جو مال و دولت کے نشہ میں مغرور ہوں گے ان کے سامنے اگر کوئی حدیث بیان کی جائے گی تو حدیث کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صرف قرآن کو ماننے والے ہیں۔

(۱۷) الا وان ما حرم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) فہو مثل ما حرم اللہ (دارمی بحوالہ مفتاح کنوز السنۃ)

جن چیزوں کو حدیث میں حرام کیا گیا ہے ویسے ہی حرام ہیں جیسے وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔

(۱۸) عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشك رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع الخ

(رواہ ابوداود والدارمی وابن ماجۃ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کے علاوہ اور بھی بہت سے احکام نازل کئے گئے ہیں۔ بعض لوگ مال و دولت کے غرور میں ہوں گے اور کہیں گے کہ ہم قرآن کے سوا حدیث کو تسلیم نہیں کرتے۔ حالانکہ رسول نے جن چیزوں کی حرمت کو حدیث میں بیان فرمایا ہے ویسی ہی حرام ہیں جس طرح وہ چیزیں جن کی حرمت قرآن میں مذکور ہے گدھا اور ہر درندہ حرام ہے۔

(حالانکہ ان کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں)

(۱۹) عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ایحسب احدکم متکئا علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیئا الا ما فی ھذا القرآن الا وانی واللہ قد امرت و وعظت ونہیت عن اشیاء انہا لمثل القرآن او اکثر الخ

(رواہ ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض لوگ مال و دولت سے مغرور ہو کر کہیں گے کہ حرام صرف وہی چیزیں ہیں جن کی حرمت قرآن میں بیان کی گئی ہے آپ نے فرمایا، خبردار خدا کی قسم بلا شبہ میں نے بہت سے ایسے اوامر و نواہی کی تبلیغ کی ہے جو قرآن جتنے بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔

یہ آخری دو حدیثیں چونکہ انکار حدیث کے شجر خبیث کی جڑیں کاٹ رہی تھیں۔ اس لئے دشمنانِ

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اعتراض کیا کہ یہ حدیثیں موضوع ہیں اور دلیل یہ بیان کی کہ قرآن تو معجز ہے اور اس کی مثال لانے سے جن وانس وغیرہ عاجز ہیں تو احادیث قرآن کی مثل یعنی ہم پایہ کیسے ہو سکتی ہیں۔ قرآن کے خلاف عجمی سازش کے ماتحت احادیث کو وضع کر کے قرآن کی مثل ٹھہرایا گیا ہے۔

جواب (۱) حدیث میں مثل سے فضل فصاحت وبلاغت اور اعجاز میں مماثلت مراد نہیں بلکہ واجب الاتباع ہونے میں مثل فرمایا گیا ہے۔ یعنی کتاب وسنت دونوں کا ماننا ضروری ہے۔ اور ان پر عمل کرنا واجب ہے (۲) مثل سے مراد مثل فی الکمیت ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اواکثر کا لفظ اس پر واضح دلیل ہے۔ لغت میں شدت وضعف کا لفظ کیفیت کے لئے اور کثرت وقلت کمیت کے لئے موضوع ہے عرف اور اصطلاح میں بھی یونہی استعمال ہے۔ قرآن مجید میں ہے اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَهْلَکَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَکْثَرُ جَمْعًا (۲۸-۷۸) قوت کے ساتھ اشد اور جمعا کے ساتھ اکثر کا لفظ ہے۔ غرضیکہ لغت، عرف واصطلاح شریعت میں ہر لحاظ سے کثرت کا لفظ کیفیت میں نہیں کمیت میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر رسول دشمنی کی وجہ سے عقل وخرد کا دیوالہ نکل چکا ہے کہ ایک ظاہر و بالکل واضح حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اسی طرح غلام جیلانی برق لکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیوی حیض کی حالت میں نماز پڑھا کرتی تھیں اور خون نیچے گرتا تھا۔ برق یہ حدیث بیان کر کے اس پر اعتراض کرتا ہے کہ حائضہ کیسے نماز ادا کر سکتی ہے۔ یہ بھی برق کی جہالت اور نادانی پر واضح دلیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بیوی جسے برق نے حائضہ لکھا ہے یہ حائضہ نہ تھیں بلکہ استحاضہ کا خون گرتا تھا اور استحاضہ کی حالت میں نماز معاف نہیں۔ یہ تو بطور مثال کے ہم نے بیان کر دیا۔ ورنہ ان دشمنان رسول واسلام کے جتنے بھی اعتراض حدیثوں پر ہیں سب کے سب اسی طرح جہالت اور کج فہمی پر مبنی ہیں۔

اجماعِ امت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک امتِ مسلمہ ہر معاملہ میں حدیث کو حجت سمجھتی رہی ہے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، خلفائے اربعہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء، ائمہ، محدثین، صوفیاء اور علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ راہ سمجھتے آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے استدلال لیتے رہے اس کی تفصیل ہم "تدوینِ حدیث" کے ضمن میں لکھیں گے۔

عقلِ سلیم

(۱) اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابلِ قبول نہیں تو قرآن بھی ان ہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن کیسے قابلِ اعتبار ہو سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ (بے شک ہم نے قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی جو کہ حدیثیں وسائط ہیں۔

(۲) صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین و من بعدہم جمیع امتِ مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی رہی ہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوئی ہے، یا کہ جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی ہے یعنی حقیقت میں حدیث قابلِ اعتبار نہ تھی مگر اسلاف سے غلطی ہوگئی کہ وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین و متأخرین علماء اور صلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کر کے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مومن کون باقی رہا؟ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین رحمہم اللہ تو نعوذ باللہ خاک بدہنِ گستاخ قرآن کے مخالف تھے، کیا مذہبِ اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مومن صرف پرویز (علیہ ما علیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو تو ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

(۳) یہ امر دریافت طلب ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فردِ بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو۔ سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سببِ ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں۔ اور رسول بھی صرف انسانوں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے، تاکہ

ہمیں ان احکام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶-۹) اگر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو انسانی صورت ہی میں بھیجتے۔

لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (۱۷-۹۵) اگر زمین پر فرشتے بستے ہوتے تو ہم رسول بھی فرشتہ ہی بھیجتے۔

غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیلِ کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط (۴-۶۴) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ رہا کہ وہ فرامینِ خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کریں تاکہ امت ان کا اتباع کرے۔ اگر بلا واسطۂ رسول احکام نازل کر دئے جاتے اور ان کی تفصیل وتشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشأ الٰہی سمجھنے میں غلطی کرتے۔ ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو تو کسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے۔ مگر ان کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے کہ فرشتے تو قوتِ شہوانیہ غضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج وضروریات سے مستغنی ہیں۔ اس لئے تقویٰ اور طہارت و پاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت و غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات و داعیات اور امراض وعوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی، بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی متقیانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ ایک انسان ان ہی جذبات وعوارضِ انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا، اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں تاکہ وہ قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر راہِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل شدہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔

بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے صرف کتاب کو کافی نہ سمجھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

اس کے بعد ہم دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خرافات کے جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض:- دشمنانِ رسول کہتے ہیں کہ حدیث بالاتفاق ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے - وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (۱۰-۳۶) قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ (۶-۱۴۸) وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ (۶-۱۱۶) وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (۱۷-۳۶)

نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔

جواب: لفظ ظن تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین (۲) شواہد و قرائن سے ظن غالب (۳) ظن بمعنی نظری و استدلالی علم یقینی جو دلیل و برہان قطعی سے حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں ہے۔ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ (۲-۴۶) قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ (۲-۲۴۹) وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ (۳۸-۲۴) كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸) اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ (۸۳-۵)

قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل وتخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ نعوذ باللہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے۔ پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متوفی ۸۵۲ھ شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں۔

وقد يقع فيها اى فى اخبار الآحاد المنقسمة الى مشهور وعزيز وغريب ما يفيد العلم النظرى بالقرائن على المختار (شرح نخبۃ الفکر)

علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظنِ غالب کا فائدہ دیتی ہیں۔ سو شریعتِ مطہرہ نے ظنِ غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے

شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی، کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے احادیث سب یقینی ہیں ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمالِ خطا موجود ہے شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث مفید ظنِ غالب ہیں اور دنیا میں ظنِ غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظنِ غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرّت کا احتمال موجود ہے۔ موٹر، ریل، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں، طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹڑی سے اتر جانے، بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ معہذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلّت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا اور پانی پینے اور غسل کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں ظنِ غالب کی پیروی پر مجبور ہیں۔ ظنِ غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں اسی طرح زہر پینے سے موت یقینی نہیں۔ معہذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنی، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر بالکل ناقابلِ عمل قرار دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی عقلی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنی جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا لہذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی کیونکہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں شخص کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ معہذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے۔

دوسرا اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے منع فرما دیا تھا۔

لا تکتبوا عنّی ومن کتب عنّی غیر القرآن فلیمحہ (مسلم) کتابت سے منع کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ حدیث حجّت نہیں۔ اس کے بعد تیسری صدی کے آخر میں محدثین نے حدیثیں جمع کیں۔ ان محدثین

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عموماً پانچ اور کبھی اس سے بھی زیادہ وسائط ہیں۔ یہ محدثین روایت در روایت، در روایت، در روایت در روایت کرتے ہیں۔ جو چیز اتنے وسائط سے ہم تک پہنچی اس پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے؟ اس کے بعد عام لوگوں میں آباء عن جد حدیثیں بیان کرنے اور ان پر عمل کرنے کی رسم پیدا ہو گئی۔ جس کی تردید قرآن نے بار بار ان الفاظ کی ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (۳۱ - ۲۱) "جب ان کو قرآن کی پیروی کے متعلق کہا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی پیروی کریں گے۔"

جواب:۔ اس اعتراض کے جواب کے لئے تاریخ تدوین حدیث کے بیان کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم مختصراً بقدر ضرورت اس مضمون پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

تدوینِ حدیث

شروع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابتِ حدیث سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ قرآن سے التباس ہو جائے کیوں کہ اس وقت میں کتابتِ قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب اور اس کے معجزانہ انداز سے بھی پورے مانوس نہ تھے۔ کتابت حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حالانکہ مسلم شریف کی جس روایت میں کتابتِ حدیث سے نہی ہے اسی روایت کے آخر میں یہ جملہ بھی ہے "وحدثوا عنی ولا حرج" منکرینِ حدیث کی بد دیانتی کا یہ عالم ہے کہ جس حدیث سے استدلال لیتے ہیں اسی کے آخر کا وہ جملہ جو ان کی اہوائے باطلہ کے خلاف ہے اسے بالکل حذف کر دیتے ہیں اور پھر تعجب یہ کہ انکارِ حدیث کے لئے خود حدیث سے استدلال کر رہے ہیں جب حدیث قابلِ اعتماد نہیں تو لا تکتبوا الخ پر کیسے اعتماد کیا گیا؟ حدیث کی اشاعت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فلیبلغ الشاہد منکم الغائب حاضر غائب کو پہنچا دے۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حدیثیں بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کیا کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کروں گا۔ پھر آپ کے قول و عمل سے استدلال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیتِ حدیث کی تصدیق فرما دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

بھی ارشاد ہے تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم (ابوداود کتاب العلم) منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ تیسری صدی کے آخر میں حدیث کی تدوین ہوئی ہے سراسر غلط ہے۔ تدوین کا کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع ہو چکا تھا اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف سے کتابت حدیث کی اجازت نہ تھی تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں۔ مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے میں نہ لکھتا تھا انہ کان یکتب ولا اکتب (بخاری)

مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے یہ حدیث مجھ سے سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی۔ چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرین حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ سے عبداللہ بن عمرو کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرت علم کثرت روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبداللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں اور ابوہریرہ کا قیام مدینہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دور اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی تھا۔ لوگ تحقیق مسائل میں مدینہ ہی کے علماء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔

(۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری ص۱۸۴ ج۱)

طبقات ابن سعد میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی پھر عبداللہ نے دریافت کیا کہ صرف حالت نشاط کی حدیثیں لکھوں یا حالت غضب کی بھی۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے کچھ نہیں

نکلتا. چنانچہ انہوں نے احادیث کو جمع کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا. یہی واقعہ ابوداؤد کتاب العلم میں بھی ہے۔

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہوگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابتِ حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا اور کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔

کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فیعجبہ ولا یحفظہ فشکیٰ ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یارسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بیمینک واومأ بیدہ للخط (رواہ الترمذی)

فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور ابوشاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر ان کو دیا، اکتبوا لابی شاہ (مفتاح السنۃ مصری ص۱۱ وبخاری)

عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے۔ (مفتاح السنۃ ص۱۱)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے شخص سے بشارت لکھوا کر دی (ابوداؤد)

طائف کے ایک شخص نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا حضرت انس اپنی اولاد کو کتابتِ حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص۶۸)

ابن عبدالبر نے جامع میں عبدالرحمٰن بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبداللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

عبداللہ بن مسعود اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو لکھ کر صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری) بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابوہریرہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مرویات کو ان کے شاگرد ان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔

(دارمی ص ۶۸-۶۹، تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۹۸، کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر نے عمال حکومت کے لئے صدقۃ الماشیہ کے احکام لکھ رکھے تھے۔

(موطا مصری صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۵۱، ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں)

مگر اس زمانہ میں حفظ صدور پر زیادہ زور تھا۔ عرب کے لوگ حافظہ میں مشہور تھے۔ طویل وعریض قصیدے مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے اور اونٹوں گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الٰہی سمجھ کر حفظ کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا تھا وہ دور و دراز سے سفر کر کے صحابہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کرتے تھے اور انہیں محفوظ رکھتے تھے۔ خود صحابہ نے دوسرے ممالک میں پہنچ کر حدیث کی تبلیغ کی۔

دارمی نے میمون بن مہران سے روایت کیا ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو ابوبکر پہلے قرآن میں تلاش کرتے اگر قرآن سے فیصلہ نہ ملتا تو اپنی معلومات احادیث میں غور کرتے۔ اگر اس میں بھی قاصر رہتے تو صحابہ میں عام طور پر اعلان کرواتے کہ ہمارے یہاں اس قسم کا مسئلہ پیش آیا ہے کیا آپ صاحبوں میں سے کسی کو اس سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ معلوم ہے؟ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگ آکر آپ سے علم نبوی بیان کرتے اور اسے سن کر آپ اللہ کا شکر کرتے کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو یاد رکھنے والے موجود ہیں اور اگر اس پر بھی فیصلہ نہ ہوتا تو صحابہ سے مشورہ لے کر اتفاق رائے سے فیصلہ کر دیتے۔ اگر کوئی شخص ایسی بات کہتا جو صحابہ کرام میں مشہور و متعارف نہ ہوتی تو اس سے اس کے متعلق شہادت طلب کی جاتی خواہ وہ کیسا ہی معتبر کیوں نہ ہوتا۔

مغیرۃ بن شعبہ نے ابوبکر صدیق کے دریافت کرنے پر جب بتایا کہ جدہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سدس دیا کرتے تھے تو آپ نے پوچھا هل معك احد؟ کیا کوئی تیرا گواہ ہے اس پر محمد بن مسلمہ نے بھی گواہی دی تب صدیق نے جدہ کو سدس دیا (بخاری ومسلم)

حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دور آیا اور اس میں تکبیر جنازہ جزیہ مجوس۔ طاعون۔ خبر الضحاك بن سفیان فی توریث المرأۃ من دیۃ زوجها۔ اور خبر سعد بن ابی وقاص فی المسح علی الخفین وغیرہ مسائل کا فیصلہ احادیث ہی کو..... حجت بنا کر کیا گیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حدیث کے بیان کرنے پر شہادت طلب کی کہ جب کوئی مسلمان (باہر سے) تین مرتبہ سلام کہنے پر (اندر سے) جواب نہ پائے (اسے اندر آنے کی اجازت نہ ملے) تو واپس چلا جائے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصدیق وشہادت پر ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پریشانی

رفع ہوتی (مفتاح السنۃ ص۱۹، ۲۰، حاکم، بخاری، مسلم)

ان واقعات سے ثابت ہوا کہ محدثین نے روایاتِ حدیث کی پوری چھان بین کی ہے۔ اسی وجہ سے اسماء الرجال اور اصولِ جرح و تعدیل کو مستقل فنون کی صورت میں مدون فرمایا۔ اور صرف انہی احادیث کو ٹھوس علمی شہادت کی بناء پر صحیح قرار دیا جو اصول روایت و درایت کے بلند معیار پر پوری اتریں اور تعارض کی حالت میں ان میں کوئی معقول صورت تطبیق کی دریافت ہو سکی اور قرآن کے خلاف کسی حدیث کو بھی قبول نہیں کیا۔

ازالۃ الخفاء میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

"فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسیار از امہات فن حدیث روایت کردہ است و در دست مردم تاہنوز باقی است بعد ازان فاروق اعظم علماء صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم را باقلیم دار الاسلام روان ساخت و امر کرد باقامت شہرہا و بروایت حدیث در آنجا"

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایتِ حدیث کا اس قدر شغف تھا اور حدیث کی تبلیغ و اشاعت اس قدر ضروری سمجھتے تھے کہ فرماتے ہیں:-

"اگر تم میرے قتل کے لئے میری گردن پر تلوار رکھدو اور مجھے یہ امید ہو کہ مرنے سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کلمہ بھی جو میں نے سنا ہے پہنچا سکوں تو میں ضرور کہدوں گا" (بخاری)

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب احادیث بیان کرتے تو سننے والوں کے ذوق و شوق کی یہ حالت ہوتی تھی کہ آدمیوں کی دیوار آپ کے سامنے کھڑی ہو جاتی۔ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم لوگوں کی کثرت اور ہجوم کے سبب مکانوں کی چھت پر چڑھ کر روایت بیان کرتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما زمانہ نبوی میں کم سن تھے، آپ زیادہ عمر کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دروازوں پر صبح کے وقت سے لیکر دوپہر تک صرف اس لئے بیٹھے رہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات وہ بیان کریں تو اسے لکھ لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ میں بہت سے اجلّہ صحابہ مثلاً معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، زید بن ثابت، ابو الدرداء، ابوذر، ابو موسیٰ اشعری وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم مکہ، مدینہ کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن وغیرہ بلاد مملکتِ اسلامیہ میں پھیل گئے اور ہر جگہ انہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم دی۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین رحمہم اللہ کا زمانہ آیا۔ انہوں نے دنیائے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بکمالِ حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اگرچہ ذاتی یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی، پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا:۔

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم وذہاب العلماء — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں لکھ لو۔ مجھے حدیث کے مٹ جانے کا خوف ہے۔

(مفتاح السنۃ ص۲۱)

اور اسے یہ بھی لکھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (متوفاۃ ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی ۱۲۰ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔

اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن الشہاب الزہری المدنی (المتوفی ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا (مفتاح السنۃ)

خلیفہ عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز تر کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہوگیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش ۵۰ھ میں ہوئی۔ سنن وآثار نبوی کے قصر کے یہ چھ ستون فن حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادہ ویحیٰ بن کثیر (بصرہ میں) ابو اسحٰق وسلیمان اعمش (کوفہ میں)۔

امام زہری تابعین کے طبقہ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا۔ بعد میں اسی دوسری صدی میں جو طبقہ ثانیہ آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہوگیا۔ چنانچہ ابن جریج (متوفی ۱۵۰ھ) نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورت کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحاق متوفی ۱۵۱ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ (یمن میں) معمر متوفی ۱۵۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہ نے احادیث کو لکھ کر مدون کیا۔ جس میں اقوال صحابہ اور تابعین کے فتاویٰ بھی مختلط تھے۔ اسی دور ہی میں سفیان بن عیینہ مکہ میں۔ حماد بن سلمہ وسعید بن ابی عروبہ بصرہ میں۔ ہشیم بن بشیر واسط میں۔ وکیع بن الجراح شام میں۔ عبدالرزاق یمن میں۔ جریر بن عبداللہ رے میں وغیرہم ایسے جلیل القدر محدثین گذرے ہیں جن کے کارنامے حیات ابدی پاچکے ہیں۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں:۔

(۱) مصنف اللیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) (۲) موطا امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ)

(۳) مصنف سفیان بن عیینہ (متوفی سنہ ۱۹۸ھ) (۴) مسند الامام الشافعی (متوفی سنہ ۲۰۴ھ)

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے۔ اس میں صحاح ستہ وغیرہا مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک علوم نبوت کے یہ نورانی منابع بکمالہا ضوء افگن ہیں۔

صحاح ستہ یہ ہیں:-

(۱) صحیح البخاری (متوفی سنہ ۲۵۶ھ) (۲) صحیح مسلم (متوفی سنہ ۲۶۱ھ) (۳) سنن ابی داؤد (متوفی سنہ ۲۷۵ھ)
(۴) سنن الترمذی (متوفی سنہ ۲۷۹ھ) (۵) سنن النسائی (متوفی سنہ ۳۰۳ھ) (۶) سنن ابن ماجہ (م سنہ ۲۷۳ھ)

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی اسی تیسری صدی میں مدون ہوئیں۔

(۷) مسند احمد بن حنبل (متوفی سنہ ۲۴۱ھ) (۸) مسند اسحٰق بن راہویہ (متوفی سنہ ۲۳۷ھ) (۹) مسند عبد بن حمید (متوفی سنہ ۲۴۹ھ) (۱۰) مسند الدارمی (متوفی سنہ ۲۵۵ھ) (۱۱) المسند الکبیر للقرطبی (متوفی سنہ ۲۷۶ھ) (۱۲) مسند ابی یعلی الموصلی (متوفی سنہ ۳۰۷ھ) (۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری (متوفی سنہ ۳۱۰ھ) وغیرہا

محدثین کے علاوہ ائمہ فقہ نے بھی حدیث کی روایت کی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر ان کے احکام اور فتاوی کی بنیاد ہوتی تھی۔

امام ابوحنیفہ۔ ولادت سنہ ۸۰ھ۔ وفات سنہ ۱۵۰ھ۔ امام مالک، ولادت سنہ ۹۳ھ وفات سنہ ۱۷۹ھ۔ امام شافعی ولادت سنہ ۱۵۰ھ وفات سنہ ۲۰۴ھ۔ امام احمد ولادت سنہ ۱۶۴ھ وفات سنہ ۲۴۱ھ۔ امام ابویوسف ولادت سنہ ۱۱۳ھ وفات سنہ ۱۸۲ھ۔ امام محمد بن حسن ولادت سنہ ۱۳۵ھ وفات سنہ ۱۸۹ھ

غرضیکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تبلیغ اور حفاظت اکمل طریقہ سے چلی آئی ہے اور جمیع امت اس سے استدلال کرتی آئی تو آج اسے ناقابلِ اعتبار قرار دینا صریح ضلالت اور گمراہی ہے۔ آیات قرآنیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ امت پر واجب الاتباع ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ پس اگر احادیث کے ہم تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ قابل وثوق ہی نہیں تو نعوذ باللہ اللہ تعالی نے ایسا لغو اور فضول حکم کیوں دیا جس پر عمل کرنا ہمارے لئے ممکن ہی نہ ہو۔

محدثین نے حفاظتِ حدیث کا ہر ممکن طریقہ اختیار فرمایا۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دراز ممالک کے پاپیادہ سفر کئے، بے پناہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں۔ پھر حاصل کرنے کے بعد تبلیغ میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا چنانچہ امام بخاری نے علم حدیث کی خاطر مکہ، مدینہ، شام، بخارا، مرو، ہرات، مصر، بغداد، کوفہ، بصرہ، بلخ، نیشاپور اور دیگر بہت سے جزائر کا ایسے زمانہ میں سفر کیا جب کہ ریل، موٹر وغیرہ سواری کا کوئی بندوبست

نہ تھا جہاں حدیث کا پتہ چلتا پاپیادہ وہاں پہنچ جاتے۔ ایک ہزار اسی شیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور امام بخاری سے روبرو بلاواسطہ علم حدیث حاصل کرنے والے شاگردوں کی تعداد نوّے ہزار ہے۔

یہ تو تحصیلِ حدیث اور تبلیغ کی حالت تھی۔ پھر صحیح اور موضوع حدیث کو پرکھنے کے لئے محدثین نے اسماء الرجال کا فن لکھا۔ اسناد کی پوری تنقیح اور تنقید کی، حدیث کی صحت و سقم کو پرکھنے کے لئے ہر ممکن ذریعہ اختیار کیا۔ جس حدیث میں ذرا بھی ضعف معلوم ہوا یا شک پیدا ہوا اس حدیث کو کتاب میں درج ہی نہیں کیا اگر کسی محدث نے درج کیا بھی تو اس کے ضعف کو واضح کر دیا۔ ان محدثین کے تقویٰ اور پرہیزگاری کی حالت اگر بیان کی جائے تو اس کے لئے دفاتر بھی کافی نہیں ہو سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ہر حدیث لکھنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھنے کا التزام فرماتے تھے۔ پھر اسناد میں یہاں تک احتیاط کی کہ راوی اور مروی عنہ اگر ایک ہی زمانہ میں گزرے ہوں۔ اُن کا آپس میں لقاء بھی ممکن ہو۔ مگر جب تک ان کا لقاء ثابت نہ ہو جاتے امام بخاری اس کی روایت کو قبول نہیں کرتے، اگرچہ یہ راوی کتنا ہی عادل اور ثقہ کیوں نہ ہو۔

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباعِ حدیث کو بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (۲-۱۷۰) میں داخل کرنا انتہائی بدطینتی اور کج روی ہے۔ اتباعِ آباء ضلالت اور گمراہی میں ممنوع ہے نہ کہ رشد و ہدایت میں۔ قرآن مجید میں بنو یعقوب علیہ السلام کا قول منقول ہے:۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (۲-۱۳۳)

ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق کے واحد معبود کی عبادت کرتے رہیں گے۔

دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود رسول دشمنی میں تاریخ سے استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ تاریخ کی صحت کے لئے کوئی سند نہیں۔ تاریخ میں سکندر اور دارا وغیرہ کے مفصل قصے مذکور ہیں مگر کوئی شخص اگر سکندر یا دارا کے وجود ہی کا انکار کر دے یا کسی واقعہ کو تسلیم نہ کرے تو اس کے اثبات کے لئے کیا دلیل اور سند ہو سکتی ہے؟ بخلاف حدیث کے کہ اس کی ہر جزئی سند اور دلیل سے ثابت ہے پھر سند کی بھی پوری تنقیح و تنقید اور ہر ممکن ذریعہ سے جانچ پڑتال کی گئی ہے اور ٹھوس علمی شہادت کے بعد قبول کی گئی ہے۔

تیسرا اعتراض:۔ بہت سی حدیثیں بالاتفاق موضوع ہیں اور بہت سے راوی خود حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ لہٰذا اب کیسے معلوم ہو سکے کہ صحیح حدیث کونسی ہے اور موضوع کونسی؟

جواب:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے دشمنانِ دین خود حدیثیں بنا کر اسلام کو نقصان

پہنچانا چاہتے تھے مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی حفاظت تا قیامت منظور ہے ۔ کیونکہ اس پر عمل کرنے کا حکم جمیع امت کو دے چکے ہیں ۔ اس لئے محدثین نے صحیح اور موضوع حدیث پرکھنے کے لئے ایسے اصول اور معیار قائم کر دیئے اور ان اصولوں کی وضاحت کے لئے مستقل فنون مدوّن کئے جن سے کھوٹی اور کھری میں امتیاز قائم ہو جاتے کسی حدیث کے متعلق موضوع ہونے کا علم ہو جانا یہ خود حجیتِ حدیث پر دلیل ہے ۔ کیوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے موضوع حدیثوں کو چن چن کر ذخیرۂ حدیث سے باہر کر دیا ہے ۔

چوتھا اعتراض :- دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ قرآنی اصول قیامت تک کیلئے مؤبّد ہیں ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضروری مسائل بیان فرمائے وہ قیامت تک کے لئے نہیں بلکہ اس زمانہ کے لحاظ سے اسی وقت کے ساتھ خاص تھے اور ہر زمانہ کے مطابق ان جزئیات میں تغیر و تبدّل کیا جا سکتا ہے اگر یہ جزئیات بھی مؤبّد ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اصول کی طرح ان کو بھی قرآن میں کیوں بیان نہیں کیا ؟

جواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی تا قیامت مؤبّد ہیں ۔ ان میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے جمیع امت کو اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا ہے ۔ جیسا کہ ہم آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کر چکے ہیں ۔ باقی یہ سوال رہا کہ پھر ان جزئیات کو قرآن میں کیوں نہیں بیان کیا گیا ؟ سو ہم کہتے ہیں کہ جزئیات کو قرآن نے اگرچہ تفصیلاً بیان نہیں کیا مگر اطیعوا الرسول کی کلّی کے ضمن میں سب جزئیات کا حکم قرآن سے ثابت ہو جاتا ہے ۔ نیز وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (۵۳-۴) سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ جزئیات بھی وحی الٰہی ہیں ۔ یہی سبب ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار ممبر پر چڑھ کر مسلمانوں کو مخاطب کیا

ایھا الناس انّ الرّأی انما کان من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصیبا ان اللہ کان یریہ وانما ھو منا الظن والتکلف	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا کرتی تھی ، اس لئے یقیناً صحیح ہوتی تھی اور ہماری رائے ظنّی ہوتی ہے

منکرینِ حدیث کا تذبذب

منکرینِ حدیث تا حال اپنا دعویٰ متعین نہیں کر سکے ۔

(۱) کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل مطلقاً حجت نہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ، وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے ۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے

ان احکام میں تغیر و تبدل کیا جا سکتا ہے۔

(پرویز معارف جلد ۴ ص ۶۹۲)

(طلوع اسلام جون ۵۰ء ص ۴۷)

(۲) اور کبھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول او فعل حجت تو ہے۔ مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔ (پرویز طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۰ء ص ۴۹)

(اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص ۴۳)

(۳) اور کسی وقت یوں کہتے ہیں کہ روایاتِ حدیث کا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ حدیث کو تاریخی درجہ بھی حاصل نہیں۔

(پرویز طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص ۸)

منکرینِ حدیث کے اس تذبذب سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی جملہ مساعی کا مقصد صرف یہ ہے کہ حدیث کا کسی نہ کسی طریقہ سے انکار کر کے آزادانہ زندگی بسر کریں اس مقصد کے لئے وہ جہاں کہیں جیسا موقع پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں۔ اس امر کی کچھ پروا نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ آخر میں ہم منکرینِ حدیث کو بطور نصیحت کہتے ہیں کہ ؎

ظالم ابھی ہے فرصت توبہ نہ دیر کر

وہ بھی گرا نہیں جو گرا پھر سنبھل گیا

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ ○

رشید احمد

۱۶ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ

ضمیمہ

ایک مستقل سوال کے جواب میں رسالہ "فتنۂ انکارِ حدیث" کا خلاصہ لکھا گیا تھا جو درج ذیل ہے۔

منکرینِ حدیث کے متضاد نظریات پر ایک نظر

سوال: کتب حدیث میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "لا تکتبوا عنی غیر القرآن" اور "ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه" موجود ہے؟ اگر ہے تو اس کا مطلب کیا ہے؟

الجواب ومنه الصدق والصواب

اس قسم کے سوالات کا منشأ فتنۂ انکار حدیث ہے۔ جو آجکل نہایت آب وتاب سے پھل پھول رہا ہے حدیث کے بارے میں منکرینِ حدیث کی طرف سے تین قسم کے متضاد خیالات اشاعت میں آرہے ہیں۔

① قرآن سمجھنے کے لئے حدیث کی ضرورت نہیں۔ ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے۔

(پرویز۔ طلوع اسلام)

روایاتِ حدیث کا پورا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے۔ (پرویز طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۲ء ص۳)

مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشریح کی قطعاً حاجت نہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم پر بھی واجب الاتباع نہ تھا۔

② حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ مخصوص تھے۔ ہر زمانہ کے لحاظ سے ان احکام میں تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔

(پرویز۔ معارف جلد۴ ص۲۹۲، اور طلوع اسلام جون ۱۹۵۰ء ص۶)

یعنی آپ کا فرمان آپ کے زمانہ میں حجت تھا۔ ہم پر حجت نہیں۔

③ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور عمل حجت تو ہے مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچا اس لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں رہا۔

(پرویز طلوع اسلام جولائی ۱۹۵۰ء ص۴۹۔ اسلم جیراجپوری۔ طلوع اسلام نومبر ۱۹۵۰ء ص۳)

اگر منکرینِ حدیث کے مختلف گروہوں کے یہ مختلف خیالات ہوتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا۔ عجیب امر ہے کہ ایک ہی گروہ بلکہ ایک ہی شخص مختلف آراء اور متضاد خیالات کا اظہار کر رہا ہے۔ جسے دیکھ کر دو شقوں میں سے ایک کا تسلیم کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ یعنی یا توان کو مجنون سمجھ کر معذور خیال کیا جائے اور یا یوں کہا جائے کہ ان کا کوئی نصب العین اور نظریہ متعین نہیں ہے۔ بلکہ اس ساری تگ ودو سے ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ تعلیماتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے ہر طرح سے آزادانہ زندگی بسر کریں۔ اس لئے جس قسم کا موقع

پاتے ہیں ویسی ہی بات منہ سے نکال دیتے ہیں، اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ ہم قبل ازیں ان کا پول کھولنے کے لئے مختلف مضامین بذریعہ اخبارات ورسائل شائع کرچکے ہیں۔ اس وقت ہم ان تین قسم کے مختلف نظریات پر بالاختصار بحث کرنا چاہتے ہیں۔

ابطالِ نظریۂ اُولیٰ

① وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا (۴۲ - ۵۱)
اس آیت میں وحی کو ارسالِ رسول کے مقابلہ میں ذکر کرنا دال ہے کہ بغیر ارسال رسول کے بھی وحی ہوتی ہے۔ یہی حدیث ہے۔

② وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا الخ (۲-۱۴۳) سے معلوم ہوا کہ بیت المقدس کی طرف استقبال حکم الٰہی تھا۔ حالانکہ قرآن مجید میں یہ حکم مذکور نہیں۔

③ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ (۲-۱۸۷) سے معلوم ہوا کہ ابتداء میں رمضان شریف کی رات میں بھی جماع کرنا حرام تھا۔ یہ حرمت حدیث ہی سے تھی قرآن مجید میں اس کا ذکر نہیں۔

④ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ الخ (۳-۱۲۳) اُحد کے موقع پر نازل ہوئی جس میں مذکور ہے کہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے انزالِ ملائکہ کا وعدہ فرمایا تھا۔ حالانکہ قرآن میں موقعہ بدر پر اس قسم کا کوئی وعدہ مذکور نہیں۔ معلوم ہوا کہ انزالِ ملائکہ کا وعدہ وحی غیر متلو سے تھا جو حدیث ہے۔

⑤ قرآن میں انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث مذکور ہیں جو حجیتِ حدیث پر واضح دلیل ہے۔ جب انبیاء سابقین علیہم السلام کی احادیث کا ان کی امتوں پر واجب الاتباع ہونا قرآن سے ثابت ہے تو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہم پر کیوں واجب العمل نہ ہوگی؟

⑥ قرآن کریم میں جابجا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ارشاد ہے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابلِ اعتبار نہیں تو أَطِيعُوا اللَّهَ کے ساتھ أَطِيعُوا الرَّسُولَ کا لفظ بار بار کیوں ذکر کیا گیا؟ قرآن میں کئی جگہ پر بار بار اطاعتِ رسول کی تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی پر وعید شدید سنائی گئی ہے۔

⑦ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (۳-۱۶۴) یہ آیت معنی اور مفہوم کے لحاظ سے قطعی طور پر محکم ہے۔ اس میں صاف دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ڈاک کے ہرکارے کی طرح

محض بلاغ ہی نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اور حکمت کے معلم اور مسلمانوں کے لئے مزکی بھی تھے۔ تعلیم الکتاب کا فرض جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ لگایا گیا تو آپ اس فرض کو کس طرح ادا کرتے تھے؟ کیا قرآن کے طلبہ (صحابہ) آپ سے کسی آیت کے بارے میں دریافت ہی نہ کرتے تھے؟ اور اگر کچھ دریافت کرتے تو کیا آپ ان کے جواب میں قرآن ہی کی کوئی آیت پیش فرما دیتے تھے؟ کیا یہ طریق تعلیم قرین قیاس ہوسکتا ہے کہ ایک معلم کسی کتاب کی تعلیم دے تو طلبہ تلاوت متن اور سماع کے سوا کوئی بات دریافت ہی نہ کریں اور اگر کچھ دریافت کریں تو استاد اس کے جواب میں کتاب ہی کا متن پڑھ دے۔ اپنی زبان سے کچھ تشریح نہ کرے۔ معلم کا فرض ہے کہ کتاب کے مجملات کی تفسیر اور تشریح کرے طلبہ کے اعتراضات اور تشبہات کو حل کرے۔ کتاب کے مفہوم اور معنی کو واضح طور پر سمجھائے۔ اگر قرآن مجید کے لئے حدیث کی ضرورت ہی نہیں، ہر شخص اپنے دماغ سے قرآن سمجھ سکتا ہے تو پرویز (علیہ ماعلیہ) نے "معارف القرآن" لکھ کر حماقت کا ثبوت کیوں دیا؟ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر تو قابل قبول نہ ہو، اور اس گستاخ (خاک بدہنش) کی تفسیر قبول ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اپنے قول اور فعل سے قرآن کی تشریح فرماتے تھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا تزکیہ کرتے تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اور فعل قابل اعتبار نہیں تو معلم الکتاب اور مزکی کیسے ہوئے؟

⑧ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خواب کا واقعہ مذکور ہے جس میں صریح دلیل ہے کہ نبی کا خواب بھی حجت اور واجب العمل ہے۔ حالانکہ خواب وحی متلو نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہزار تمناؤں کے بعد آخر عمر میں اللہ تعالیٰ نے فرزند عزیز عطا فرمایا۔ پھر حالت رضاع ہی سے برسوں تک اکلوتے بیٹے کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر فراق کے صدمے برداشت کئے مگر خلیل علیہ السلام کے مقام تسلیم و رضا کے امتحان کی ایک شدید ترین گھاٹی ناحال باقی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب کو وحی الٰہی یقین فرما کر بغیر کسی قسم کے تردد کے تعمیل حکم کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ لخت جگر کو قربان کرنے کا عمل بھی نہایت مستعدی سے شروع کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عزیز ترین اکلوتے بیٹے کے ذبح کا اقدام کرنا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فافعل ما تریٰ کے بجائے "فَافْعَلْ مَا تُؤْمَرُ" کہنا، اور اللہ تعالیٰ کا "قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا" اور "وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ" ارشاد فرمانا اور اس امتحان کو "بلاء مبین" سے تعبیر فرمانا، یہ جملہ امور واضح دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں ذبح ولد کا حکم ہوا تھا اور وہ حکم واجب العمل بھی تھا۔

⑨ كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ الخ میں تصریح فرمائی جا رہی ہے کہ منافقین کو غزوۂ خیبر میں شرکت کی اجازت نہ دینے کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے کر دیا ہے حالانکہ اس آیت کے سوا اس فیصلہ کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ فیصلہ وحی غیر متلو سے ہوا تھا۔

⑩ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (۱۶-۴۴) معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب تبیین وتشریح ہے۔

⑪ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (۷۵-۱۹) سے اللہ تعالیٰ نے قرآن کے بیان کا ذمہ لیا ہے اب غور طلب یہ امر ہے کہ اگر قرآن کا بیان خود قرآن ہی کی آیت سے کیا تو اس آیت کے لئے بھی بیان کی ضرورت ہوگی۔ کیونکہ بیانہ کی ضمیر کا مرجع کل قرآن ہے پس ہر جزءِ قرآن محتاج بیان ہوا۔ اب اگر ایک آیت کا بیان دوسری آیت سے ہوا تو اس دوسری آیت کا بیان کسی تیسری سے ہوگا، پھر وہ تیسری آیت بھی محتاج بیان تو اس کے لئے چوتھی آیت ضروری ہوئی پس تسلسل یا دور لازم آئے گا اور یہ دونوں امر باطل ہیں اور باطل کو مستلزم امر خود باطل ہوتا ہے معلوم ہوا کہ قرآن کا بیان خود قرآن سے باطل ہے پس قرآن کا بیان غیر قرآن سے ہوگا جو حدیث ہے۔

منکرین حدیث کا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر) سے استدلال باطل ہے۔ اس لئے کہ قرآن کے مضامین دو قسم کے ہیں ایک احکام، دوسرے توحید و رسالت کے دلائل اور انذار و تخویف کے مضامین اور تذکیر کے لئے امم سابقہ میں سے منکرین کے قصص۔ سو تیسیر قرآن باعتبار تذکیر کے ہے نہ باعتبار استنباط احکام کے، اس پر چند دلائل ہیں۔ (۱) وَلَقَدْ يَسَّرْنَا کو لِلذِّكْرِ سے مقید کرنا (۲) فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ کا ترتب تیسیر پر (۳) قصص انذار و تخویف کے ساتھ بار بار اس آیت تیسیر کا اعادہ (۴) اگر تیسیر کو عام لیا جائے تو یہ آیت معارض ہوگی آیات مذکورۃ الصدر سے جن سے معلّم القرآن اور اس کی تبیین و تشریح کی ضرورت ثابت ہوئی۔ پس وجہ توفیق یہی ہوگی کہ تیسیر قرآن محض بحسب تذکیر ہے اور استنباط احکام میں قرآن معلّم کی تبیین و تشریح کا محتاج ہے اس کے باوجود وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ سے تفکر و تدبر کی حاجت ظاہر فرما دی۔

⑫ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ (الی قوله) نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ (۶۶-۳) اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک راز کے اخفاء کی تاکید کے باوجود جب ایک بی بی نے اس کا افشاء کر دیا تو اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی جو وحی غیر متلو سے تھی۔ کیونکہ قرآن میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔

⑬ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (۲-۱۸۵) میں فرمایا کہ احکام حج اللہ تعالیٰ کے بیان فرمودہ طریق کے مطابق ادا کرو۔ حالانکہ قرآن میں احکام حج کی تفصیل مذکور نہیں۔ سو اس آیت میں حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں احکام کی پوری تفصیل ہے۔

⑭ بہت سے انبیاء علیہم السلام کتاب کے بغیر مبعوث ہوئے ہیں۔ پس اگر قول رسول حجت نہیں تو

ایسے انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے کیا فائدہ ؟

دلائل عقلیہ

① قرآن میں ہر چیز کا بیان اجمالاً ہے جس کی تشریح اور تفصیل حدیث میں ہے۔ نمازوں کے اوقاتِ خمسہ تعداد رکعات، فرائض اور واجبات کی تفاصیل، صوم و زکوٰۃ کے مفصل احکام، حج کے مناسک، قربانی وغیرہ، بیع و شراء، امورِ خانہ داری، ازدواجی معاملات اور معاشرت کے قوانین۔ ان سب امور کی تفصیل حدیث ہی سے ثابت ہے۔ پس حدیث کا انکار سارے نظامِ اسلامی سے یکسر ہاتھ دھو بیٹھنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح بول و براز، کتے، گیدڑ وغیرہ کی حرمت کا قرآن میں ذکر نہیں۔ چنانچہ اسی اعتراض سے بچنے کے لئے منکرینِ حدیث ان جملہ اشیاءِ خبیثہ کی حلت کے قائل ہیں۔ بلکہ محمد صبیح ایڈووکیٹ لکھتا ہے کہ قرآن میں مذکورہ چار چیزوں کے سوا باقی ہر چیز کا کھانا فرض ہے کھانے سے انکار کر دینا گناہ اور خدا کے حکم کی معصیت ہے۔

(طلوعِ اسلام جون ۵۲ء)

یعنی کتا، گدھا، گیدڑ، بلی، چوہا حتیٰ کہ پیشاب پاخانہ وغیرہ کا کھانا فرض ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ منکرینِ حدیث خدا کے حکم کی معصیت سے بچنے کے لئے فرض اور ثواب سمجھ کر مذکورہ چیزیں بشبانہ روز مزے لے لے کر کھاتے ہوں گے (سوّد اللہ تعالیٰ وجوہہم)

② اگر احادیث کے راوی قرآن کے خلاف عجمی سازش کرنے والے تھے اس لئے حدیث قابلِ قبول نہیں تو قرآن بھی تو انہی وسائط سے ہم تک پہنچا ہے۔ پس قرآن پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ قرآن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵-۹) تو ہم کہتے ہیں کہ خود اس آیت کی صداقت پر کیسے اعتماد ہوگا؟ یہ بھی تو انہی لوگوں کی وساطت ہی سے ہم تک پہنچی ہے جو حدیث میں وسائط ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن کا اعجاز فی البلاغہ اس کی صداقت پر دال ہے کیونکہ اولاً تو قرآن کا معجز من حیث البلاغہ ہونا مختلف فیہ ہے۔ بعض نے اعجاز من حیث الاخبار عن المغیبات وغیرہ کا قول کیا ہے جس کی تصدیق مذکورہ وسائط ہی کے ذریعہ سے منقول ہے۔ ثانیاً قلیل تغیر اور بعض مواقع پر ترتیب کی تبدیلی سے اعجاز فی البلاغہ میں بظاہر کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ جیسا کہ "اَلَمْ اَعْهَدْ" پر مختصر المعانی میں بحث کی گئی ہے۔ ثالثاً اعجاز فی البلاغہ معیارِ صداقت تب ہوگا کہ تحدّی ثابت ہو اور آیاتِ تحدّی مذکورہ وسائط ہی سے منقول ہیں۔ رابعاً تحدّی من حیث البلاغہ زمانۂ موجودہ میں تو معیارِ صداقت نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ تحدّی ایسی چیز کی مفید ہوگی

جس کا دنیا میں بہت زور و چرچا ہو، ظاہر ہے کہ دورِ حاضر میں علم البلاغۃ کی بنسبت سائنس کا بہت زیادہ چرچا ہے۔ پس بلاغت کے لحاظ سے تحدّی صرف زمانۂ تنزیل کے ساتھ مخصوص ہوگی اور اُس وقت میں اہلِ بلاغت کا قرآن کے مثل سے عاجز ہوجانا قیام قیامت تک کے لئے صداقتِ قرآن پر دلیل ہوگا یعنی زمانہ حاضرہ میں صداقتِ قرآن پر یہ دلیل نہیں کہ ہم اس کے مثل سے عاجز ہیں بلکہ دلیل یہ ہے کہ بلاغت کے مشہور دور میں بڑے بڑے بلغاء اس کے مثل سے عاجز رہے اور یہ جملہ امور یعنی یہ کہ زمانۂ تنزیل دورِ بلاغت تھا اور یہ کہ اس زمانہ میں قرآن نے تحدّی من حیث البلاغۃ کی تھی اور یہ کہ مشاہیر بلغاء قرآن کے مثل سے عاجز رہے تھے، انہی کے واسطہ سے منقول ہیں جن کو قرآن کے خلاف عجمی سازش کہا جا رہا ہے۔

③ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ ومن بعدہم جمیع امتِ مسلمہ جو حدیث کو حجت تسلیم کرتی آئی ہے کیا اس میں ان سے اجتہادی غلطی ہوتی ہے۔ یا جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے؟ اگر اجتہادی غلطی ہوئی یعنی حقیقت میں حدیث قابلِ اعتبار نہ تھی مگر اسلاف سے غلطی ہوگئی کہ وہ اسے قابلِ عمل سمجھتے رہے تو غور کرنے کا مقام ہے کہ ساری امت کے متقدمین اور متاخرین علماء وصلحاء تمام تر اسلاف اسی اجتہادی غلطی ہی میں صدیوں تک مبتلا رہے؟ کسی ایک فرد نے بھی اس غلطی کو محسوس نہ کیا؟ اور اگر اسلاف حدیث کو ناقابلِ اعتبار سمجھتے تھے اس کے باوجود جان بوجھ کر حدیثیں بیان کرکے قرآن کے خلاف سازشیں کرتے آئے ہیں تو اس امت میں سے مؤمن کون باقی رہا؟ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ، محدثین اور جمیع سلف صالحین نعوذ باللہ خاک بدہن گستاخ قرآن کے مخالف تھے کیا مذہبِ اسلام کی چودہ صد سالہ زندگی میں پہلا مومن صرف پرویز (علیہ ما علیہ) ہی ہے؟ جو دین چودہ سو سال تک صرف مخالفین اور دشمنوں کے قبضہ میں رہا ہو اتنی طویل مدت تک اس کا کوئی محافظ اور اسے قبول کرنے والا پیدا ہی نہ ہوا ہو، ایسے دین پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے؟

④ یہ امر دریافت طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اور سابقہ آسمانی کتابوں کو رسول کے واسطہ سے کیوں اتارا؟ اگر اللہ تعالیٰ ہر فردِ بشر کے پاس لکھی لکھائی کتاب بلا واسطہ رسول کے بھیج دیتے تو یہ صریح معجزہ ہونے کی وجہ سے زیادہ مؤثر ہوتا۔ کفار خود اس کے طالب بھی تھے کہ لکھی لکھائی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو سو اگر یہ طریقہ اختیار کیا جاتا تو منہ مانگا معجزہ ہونے کے باعث زیادہ سبب ہدایت ہوتا۔ مگر پھر بھی یہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا۔ بلکہ رسولوں کی معرفت کتابیں نازل فرمائیں اور رسول بھی صرف انسانوں میں سے منتخب فرمائے۔ کفار کہتے تھے کہ پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرشتے کیوں نہیں بھیجے تاکہ ہمیں احکام کے منزّل من اللہ ہونے کا یقین ہوجاتے اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتے ہیں

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا (۶ - ۹) وَلَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (۱۷ - ۹۵) غرضیکہ سوال یہ ہے کہ تنزیل کتب کے لئے رسولوں کو واسطہ بنانے اور رسالت کے لئے بالخصوص انسانوں ہی کو منتخب کرنے پر اس قدر اصرار کیوں کیا گیا؟ اس کا جواب خود کلام اللہ میں موجود ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء ۹) یعنی خدا نے جتنے رسول بھیجے ان کی بعثت کا مقصد صرف یہ رہا کہ وہ فرامینِ خداوندی کے مطابق حکم دیں اور خود قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کریں اور نازل شدہ احکام کو برت کر امت کے لئے ایک نمونہ قائم کر دیں تاکہ امت ان کا اتباع کرے اگر بلا واسطہ رسول کے احکام نازل کر دئے جاتے اور ان کی تفصیل وتشریح کرنے والا اور عملی جامہ پہنانے والا کوئی نہ آتا تو لوگ آیات کے مفہوم اور معانی میں اختلاف کرتے اور منشاءِ الٰہی سمجھنے میں غلطی کرتے ان کو سمجھانے والا کوئی نہ ہوتا۔ اس ضرورت کو توکسی حد تک فرشتے بھی پورا کر سکتے تھے۔ مگر ان کے متعلق لوگ یہ خیال کرتے کہ فرشتے تو قوتِ شہوانیہ او رغضبیہ سے منزہ ہیں اور انسانی حوائج وضروریات سے مستغنی ہیں اس لئے تقویٰ اور طہارت وپاکیزگی کے احکام میں انسان فرشتے کی تقلید نہیں کر سکتا۔ انسان پیٹ رکھتا ہے، کھانے، پینے، پیشاب، پاخانہ کا محتاج ہے۔ شہوت اور غضب کی قوت رکھتا ہے۔ جذبات وداعیات اور امراض وعوارض کا شکار رہتا ہے۔ بیوی بچوں کے جنجال میں جکڑا رہتا ہے۔ اس لئے فرشتے کا اتباع انسان کے بس کا کام نہیں۔ لوگ کہہ سکتے تھے کہ ہم انسانی کمزوریاں رکھتے ہوئے فرشتے کی منقیانہ زندگی کی تقلید کیسے کریں؟ اس لئے ضروری تھا کہ رسول انہی جذبات وعوارضِ انسانیہ کے ساتھ زمین پر آتا۔ اسے بھی وہ تمام معاملات پیش آتے جو ایک عام انسان کو پیش آتے ہیں۔ تاکہ وہ قوانینِ الٰہیہ کے مطابق زندگی بسر کر کے دکھاتا کہ کس طرح انسان خدا کے نازل کردہ قوانین پر عمل کرے۔ قدم قدم پر لوگوں کو اپنے قول اور عمل سے ہدایات دیتا اور انہیں سمجھاتا کہ انسان زندگی کی پیچیدہ راہوں سے کس طرح بچ کر صراطِ مستقیم پر چل سکتا ہے۔ غرضیکہ لفظوں میں نازل کردہ احکام کو عملی جامہ پہنا کر امت کے لئے اسوۂ حیات قائم کر دیتا۔ بس یہی وجہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے صرف کتاب کو ہمارے لئے کافی نہ سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ ہم پر لازم کر دیا۔

ابطالِ نظریۂ ثانیہ

اگر حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات صرف آپ کے زمانہ کے ساتھ خاص نہیں بعد میں حجت

نہیں تو اس کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیام قیامت تک کے لئے عام نہیں۔ حالانکہ مندرجہ ذیل آیات اس کی تردید کر رہی ہیں۔

① اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ حکم قرآنی عام اور قیام قیامت تک کے لئے ثابت رہیگا اگر ہم پر قرآن حجت ہے تو قرآن کا یہ جملہ کیوں کر حجت نہ ہوگا؟

② یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا (۷-۱۵۸)

③ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ○ (۲۱-۱۰۷)

④ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۳۴-۲۸)

⑤ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ○ (۲۵-۱)

⑥ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ○ (۳۳-۳۸)

اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لئے معلم کی ضرورت ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی جدید معلم (رسول) نہیں آسکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہیں۔

⑦ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (۴-۱۶۵)
اگر حدیث ہم پر حجت نہیں تو ہم پر اتمام حجت کیسے ہوا؟ جو کہ بعثت سے مقصود ہے۔

دلائلِ عقلیہ

① کتاب اللہ کے سمجھنے کے لئے معلّم الکتاب کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو رسول کیوں مبعوث فرمایا گیا اور حضور کے اہل زمانہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کیوں واجب الاتباع قرار دیا گیا؟
اور اگر معلم کی ضرورت ہے تو ہم ان تعلیمات رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ ہم تو خود بخود کتاب اللہ کو سمجھ سکیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لئے معلّم کی ضرورت پڑے۔ مابہ الفرق کیا چیز ہے؟
صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل لسان تھے، محاورات سے واقف تھے۔ ان کو مواقع تنزیل کا مشاہدہ اور شان نزول کا علم تھا خطاب الٰہی کے مخاطبین اولین تھے اس کے باوجود ان کے لئے تو معلّم الکتاب کی ضرورت ہو اور ہمارے لئے کوئی ضرورت نہ ہو؟

② وہ دلیل جو نظریہ اولیٰ کی تردید میں دلائل عقلیہ کے تحت نمبر ۳ میں گذری۔ یعنی جمیع امت

جو حدیث کو آج تک قبول کرتی آئی ہے ان سے اجتہادی خطا ہوئی ہے یا کہ جان بوجھ کر قرآن کے خلاف سازشیں کرتے رہے ہیں۔ دونوں شقیں خلافِ عقل اور مردود ہیں۔

ابطالِ نظریۂ ثالثہ

منکرین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث ظنی ہے اور ظن کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث کی پیروی قرآن کی رو سے منع ہے۔ منکرین حدیث کا یہ استدلال محض دجل اور تلبیس ہے۔ لفظِ ظن تین معنوں میں مستعمل ہے۔

① اٹکل یعنی بلا دلیل محض گمان اور تخمین۔

② شواہد و قرائن سے ظنِ غالب۔

③ علم یقینی نظری واستدلالی جو دلیل و برہان سے قطعی طور پر حاصل ہوا ہو۔ مندرجہ ذیل آیاتِ قرآنیہ میں لفظ ظن اسی علم یقینی کے معنی میں مذکور ہے

① يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَاقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ (۲ - ۴۶)

② قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَاقُوا اللهِ (۲-۲۴۹)

③ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّأَنَابَ (۳۸-۲۴)

④ كَلَّا إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ وَظَنَّ أَنَّهُ الْفِرَاقُ (۷۵-۲۸)

⑤ أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَّبْعُوثُونَ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ○ (۸۳ - ۵)

قرآن نے ظن بمعنی محض اٹکل وتخمین کی پیروی سے منع کیا ہے۔ احادیث کا سلسلہ محض اٹکل اور تخمین نہیں ہے پس احادیث کو ظن کے معنی ثانی (ظن غالب) اور معنی ثالث (علم یقینی استدلالی) کے لحاظ سے ظنی کہا جاتا ہے۔ بہت سی احادیث علم یقینی استدلالی کا فائدہ بھی دیتی ہیں۔ حافظ ابن حجر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں وقد يقع فيها اى فى أخبار الآحاد المنقسمة الى مشهور وعزيز وغريب ما يفيد العلم النظرى بالقرائن على المختار خلافاً لمن ابى ذلك والخلاف فى التحقيق لفظى لان من جوّز اطلاق العلم قيده بكونه نظريا وهو الحاصل من الاستدلال ومن ابى الاطلاق خص لفظ العلم بالمتواتر وما عداه عنده ظنى۔ پھر حافظ نے خبر محتف بالقرائن موجب علم یقینی استدلالی کی چند انواع ذکر کی ہیں۔

① ما اخرجه الشيخان فى صحيحيهما مما لم يبلغ حد التواتر وممالم ينتقده احد من الحفاظ ولم يقع التخالف بين مدلوليه۔

② المشهور اذا کانت له طرق متباينة سالمة من ضعف الرّواة والعلل۔

③ المسلسل بالائمة الحفّاظ المتقنين حيث لا يكون غريبًا۔

پس علم یقینی استدلالی تو ظاہر ہے کہ واجب الاتباع ہے۔ باقی رہیں وہ حدیثیں جو ظنِّ غالب کا فائدہ دیتی ہیں، سو شریعتِ مطہرہ نے ظنِّ غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ شرعی یقین کے لئے ثقہ عادل کی شہادت (کہیں ایک کی کہیں دو کی اور کہیں زیادہ کی) کافی ہے۔ سو وہ احادیث میں موجود ہے۔ اس لحاظ سے سب احادیث یقینی ہیں۔ ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ مفید علم یقینی استدلالی ہیں۔ یا اس لئے کہ اکثر احادیث میں عقلاً احتمالِ خطا موجود ہے۔ شرعاً نہیں۔ غرضیکہ احادیث کو شرعاً ظنی اس لئے کہا جاتا ہے کہ جمیع احادیث مفید علم یقینی عقلی استدلالی ہیں اور اکثر احادیث موجبِ ظنِّ غالب ہیں۔ اور دنیا میں ظنِّ غالب پر عمل کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ہم رات دن اپنے جمیع معاملات میں ظنِّ غالب ہی پر عمل کرتے ہیں۔ دوا پیتے وقت شفا کا یقین نہیں ہوتا بلکہ زیادہ مضرت کا احتمال موجود ہے۔ ریل، کار، طیارہ اور بحری جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے وقت ہمیں ان کی مشینری کا کوئی علم نہیں ہوتا۔ مشینری کے تمام پرزہ جات کی درستی کا کوئی یقین نہیں ہوتا۔ راستہ کے حوادث سے محفوظ رہنے کا یقین نہیں۔ طیارہ کے گرنے، ریل کے پٹری سے اتر جانے بحری جہاز کے غرق ہو جانے کا احتمال موجود ہے۔ معہٰذا ہم دن رات ان ذریعوں سے سفر کرتے ہیں۔ بازار سے گوشت خریدتے وقت اس کی حلت کا، دودھ، گھی، اناج، شکر وغیرہ کی پاکیزگی کا، پانی پیتے وقت، غسل اور وضو کرتے وقت اس کی طہارت کا ہرگز کامل یقین نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔ عمر بھر ہر معاملہ میں قدم قدم پر ظنِّ غالب کی پیروی پر مجبور ہیں، ظن غالب کی پیروی کو چھوڑ دیا جائے تو انسان دنیا میں زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ سانپ کے پاس جانے سے ہمیں اس کے کاٹنے کا یقین نہیں اور کاٹنے کے بعد مرنے کا یقین نہیں، اسی طرح زہر پی لینے سے موت یقینی نہیں۔ معہٰذا ہم زہر پینے سے بچتے ہیں اور سانپ سے پرہیز کرتے ہیں۔ جب ہم شب و روز ہر معاملہ میں ظن غالب ہی پر عمل کرتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ حدیث کو ظنی ہونے کی وجہ سے ترک کر دیا جائے۔ قرآن یقینی ہے اور حدیث ظنّی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حدیث کو محض اٹکل اور تخمین سمجھ کر ناقابلِ عمل قرار دے دیا جائے۔ قرآن کے یقینی اور حدیث کے ظنی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کا ہر ہر لفظ تواتر سے ثابت ہونے کی وجہ سے یقینی بدیہی ہے۔ حدیث میں چونکہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے اس لئے اس کے ہر لفظ کے متعلق قرآن جیسا یقین نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا حدیث یقینی استدلالی یا یقینی شرعی ہے۔ جیسا کہ ماں کا علم یقینی ہے اور باپ کا ظنی۔ کیوں کہ ماں کے متعلق قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ فلاں کی ماں ہے مگر باپ کے بارے میں اس یقین کے ساتھ حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

معہٰذا باپ کا علم یقینی شرعی ہے۔

دلیلِ عقلی

جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع ہے۔ مگر حدیث کا موجودہ ذخیرہ حجت اس لئے نہیں کہ ظنی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جب تعلیماتِ رسول کو ہم پر قیام قیامت تک کے لئے واجب الاتباع قرار دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان تعلیمات کی حفاظت کے اسباب کیوں نہ پیدا فرمائے؟ کیا یہ تکلیف مالا یطاق اور امت پر ظلم نہ ہوگا؟ کہ ان اقوال کا اتباع ہم پر لازم کر دیا گیا جن کے علم کی تحصیل ہمارے لئے ناممکن ہے۔ غرضیکہ قولِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ کے لئے واجب الاتباع تسلیم کر لینے کے باوجود اسے ظنی ہونے کی وجہ سے حجت نہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کرنے کے مترادف ہے: اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ حدیث تیسری صدی کے آخر میں لکھی گئی ہے صاف دھوکہ دہی ہے، کیونکہ خود حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی میں حدیث کی کتابت شروع ہو چکی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کتابتِ حدیث سے منع فرمانا ابتدائی دور میں اس لئے تھا کہ قرآن سے التباس نہ ہو جائے۔ اس وقت میں کتابتِ قرآن کا عام دستور تھا اور عوام قرآنی اسالیب سے اور اس کے معجزانہ انداز سے ابھی پورے مانوس نہ تھے کتابتِ حدیث سے منع کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ حدیث قابلِ اعتبار نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کے بیان کرنے سے بھی روک دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا فلیبلغ الشاھد منکم الغائب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد زمانہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں احادیث بیان کرنے کا عام رواج تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک خدمت پر بھیجتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم کس طرح فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ پہلے قرآن پر نظر کروں گا۔ پھر آپ کے قول وعمل سے استدلال کروں گا۔ پھر اجتہاد سے کام لوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مسرت کا اظہار فرما کر حجیتِ حدیث کی تصدیق فرما دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے "تسمعون ویسمع منکم ویسمع ممن یسمع منکم" (ابوداؤد۔ کتاب العلم) شروع میں اگرچہ عوام کو اختلاط بالقرآن کے خوف کی وجہ سے کتابتِ حدیث کی اجازت نہ تھی۔ تاہم خاص خاص لوگوں کو کتابت کی اجازت تھی۔ طبقات ابن سعد میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کا واقعہ مذکور ہے کہ آپ نے خدمت نبوی میں عرض کیا کہ جو حدیثیں میں نے آپ سے بالمشافہہ سنی ہیں ان کے لکھنے کی اجازت فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ پھر عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ صرف

حالتِ نشاط کی حدیثیں لکھوں یا کہ حالتِ غضب کی بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ چنانچہ انہوں نے احادیثِ نبویہ کو جمع کیا اور اس کا نام "الصادقہ" رکھا۔ یہی واقعہ ابوداؤد کتاب العلم میں بھی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ حدیثیں یاد ہیں، مگر عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا "انہ کان یکتب ولا اکتب" (بخاری) مستدرک حاکم سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا لکھا ہوا ذخیرہ موجود تھا۔ چنانچہ حسن بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ایک حدیث سنائی تو آپ نے اس کا انکار کیا اور فرمایا کہ اگر تم نے مجھ سے یہ حدیث سنی ہے تو میری کتابوں میں موجود ہوگی چنانچہ آپ نے اپنی کتابوں میں تلاش کی تو یہ حدیث مل گئی۔ اس مقام پر منکرینِ حدیث نے دو اعتراض کئے ہیں۔ (۱) بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو علم حدیث زیادہ تھا۔ حالانکہ روایات کا ذخیرہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ منقول ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بخاری کی روایت میں استثناء منقطع ہے۔ اس لئے اس کا سابقہ جملہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ نیز کثرتِ علم کثرتِ روایت کو مستلزم نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد عبداللہ بن عمرو زیادہ تر شام میں رہے ہیں۔ اور ابوہریرہ کا قیام مدینہ منورہ ہی میں رہا ہے۔ چونکہ دورِ اول میں علم کا مرکز مدینہ ہی میں تھا۔ لوگ تحقیقِ مسائل میں مدینہ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو روایات بیان کرنے کا زیادہ موقع ملا۔ (۲) مستدرک حاکم میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لکھی ہوئی حدیثیں موجود تھیں اور بخاری میں ہے "لا اکتب" اس کا جواب یہ ہے کہ ابوہریرہ خود لکھنا نہ جانتے تھے۔ ان کے پاس جو ذخیرہ تھا وہ دوسروں سے لکھوایا گیا تھا۔ (فتح الباری جلد ۱ ص ۱۸۴)

جب لوگ قرآن کے معجزانہ اسلوب سے بخوبی واقف ہوگئے تو حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف کتابتِ حدیث کی اجازت دی بلکہ لکھنے کا حکم دیا۔ اور کئی صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دینی مسائل اور پیغمبرانہ ہدایات خود لکھوائیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبۂ ارشاد فرمایا اور ابوشاہ یمنی کی درخواست پر وہ خطبہ لکھوا کر انکو دیا۔ (مفتاح السنۃ و بخاری)

عمرو بن حزم کو یمن بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مفصل تحریری ہدایت نامہ دیا جس میں صدقات، دیات، فرائض وغیرہ کے احکام تھے (مفتاح السنۃ مصری ص۱۱)

مسلم بن الحارث کے والد کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت لکھوا کر دی (ابوداؤد) طائف کے ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی ایک کتاب سنائی تھی۔ (ترمذی کتاب العلل) خطیب کی روایت کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا حضرت انس اپنی اولاد کو کتابت حدیث کا حکم دیا کرتے تھے (دارمی ص۶۸) ابن عبد البر نے جامع میں عبد الرحمٰن بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک کتاب دکھا کر قسم کھائی اور کہا کہ یہ عبد اللہ بن مسعود کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بعض احادیث کو صحیفہ کی صورت میں اپنے پاس رکھا (بخاری)

بعض کثیر الروایات صحابہ مثلاً ابوہریرہ، عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، جابر بن عبد اللہ، براء بن عازب اور انس بن مالک وغیرہم (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی مرویات کو ان کے شاگردان کے روبرو بیٹھ کر لکھا کرتے تھے (دارمی ص۶۸ و ۶۹، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۱۹۸ کتاب العلل للترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمال حکومت کے لئے فقہ الماشیہ کے احکام لکھ رکھے تھے۔ موطا مصری صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ و ۱۵۱ و ۱۵۲ پر اس قسم کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں اگرچہ کتابت حدیث ثابت ہے۔ مگر اس زمانہ میں حفظ صدر پر زیادہ زور تھا۔ عرب کے لوگ حافظہ میں مشہور تھے۔ طویل وعریض قصیدے، مختلف مضامین کے انہیں یاد ہوتے تھے۔ اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب نامے حفظ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو ان لوگوں نے خصوصیت سے وحی الٰہی سمجھ کر حفظ کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کو واجب الاتباع جان کر اس کی حفاظت کی صحابہ کے بعد تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ کا زمانہ آیا انہوں نے دنیا تے اسلام کے بعید سے بعید گوشہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو کمال حفاظت کے ساتھ پہنچایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اگرچہ ذاتی یادداشتیں لکھی ہوئی تھیں۔ مگر حدیث کی کوئی مرتب کتاب نہ تھی۔ پہلی صدی کے آخر میں عمر بن عبد العزیز المتوفی سنہ ۱۰۱ھ نے مدینہ منورہ کے والی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا۔ انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ فانی خفت دروس العلم و ذھاب العلماء (مفتاح السنۃ ص۲۱)

اور ان کو یہ بھی لکھا کہ عمرہ بنت عبد الرحمٰن انصاریہ (متوفاۃ سنہ ۹۸ھ) اور القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق (متوفی سنہ ۱۲۰ھ) کی احادیث کے جو مجموعے ہیں وہ لکھ کر ان کے پاس بھیجے۔ اسی طرح دوسرے بڑے شہروں مکہ، کوفہ، بصرہ، شام اور یمن وغیرہ میں بھی اپنے عمال کو تدوین حدیث کے لئے لکھا۔ امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن الشہاب الزہری المدنی (متوفی سنہ ۱۲۴ھ) بھی انہی لوگوں میں سے تھے جن کو تدوین حدیث کے متعلق لکھا گیا تھا۔ (مفتاح السنۃ)

خلیفہ عادل کی اس ہدایت نے محدثین کی حوصلہ افزائی کی۔ اور انہوں نے اپنی کوششوں کو تیز کر دیا اور احادیث کی تدوین کا کام بڑے پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ اس مقدس گروہ میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت محمد بن مسلم زہری کی ہے۔ ان کی پیدائش ۵۰ھ میں ہوئی۔ سنن و آثار نبویہ کے قصر کے یہ چھ ستون فن حدیث میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ امام زہری (مدینہ میں) عمرو بن دینار (مکہ میں) قتادہ و یحیٰی بن کثیر (بصرہ میں) ابو اسحق و سلیمان اعمش (کوفہ میں)۔ امام زہری تابعین کے طبقہ اولیٰ کے محدثین میں سے ہیں جنہوں نے احادیث کو قلمبند کیا۔ بعدۂ اسی دوسری صدی میں جو طبقہ ثانیہ آیا اس میں تدوین کا کام عام اور شائع ہو گیا۔ چنانچہ ابن جریج متوفی ۱۵۰ھ نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں احادیث کو بصورت کتابت جمع کیا (مدینہ منورہ میں) ابن اسحق متوفی ۱۶۱ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ (بصرہ میں) ربیع بن صبیح متوفی ۱۶۰ھ (کوفہ میں) سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ (شام میں) اوزاعی متوفی ۱۵۶ھ (یمن میں) معمر متوفی ۱۵۳ھ اور خراسان میں ابن المبارک متوفی ۱۸۱ھ وغیرہم (رحمہم اللہ تعالیٰ) نے احادیث کو لکھ کر مدوّن کیا۔ دوسری صدی کی چند مستند کتابیں یہ ہیں (۱) موطا امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ (۲) مصنف اللیث بن سعد متوفی ۱۷۵ھ (۳) مصنف سفیان بن عیینہ متوفی ۱۹۸ھ (۴) مسند الامام الشافعی متوفی ۲۰۴ھ۔

اس کے بعد تیسری صدی ہجری خدمت سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جلیل القدر زمانہ ہے اس میں صحاح ستہ و غیرہ مستند کتب کی تدوین ہوئی اور آج تک علوم نبوت کے یہ نورانی منابع بجملہا ضو افگن ہیں۔ صحاح ستہ یہ ہیں:-

(۱) صحیح البخاری۔ متوفی ۲۵۶ھ (۲) صحیح مسلم متوفی ۲۶۱ھ (۳) سنن ابی داؤد متوفی ۲۷۵ھ (٤) سنن الترمذی متوفی ۲۷۹ھ (٥) سنن النسائی متوفی ۳۰۳ھ (٦) سنن ابن ماجۃ متوفی ۲۷۳ھ ان کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب بھی اسی تیسری صدی میں مدوّن ہوئیں۔

(۷) مسند احمد بن حنبل متوفی ۲٤۱ھ (۸) مسند اسحٰق بن راھویہ متوفی ۲۳۸ھ

(۹) مسند عبد بن حمید متوفی ۲٤۹ھ (۱۰) مسند الدارمی متوفی ۲۵۵ھ

(۱۱) المسند الکبیر للقرطبی متوفی ۲۷٦ھ (۱۲) مسند ابی یعلی الموصلی متوفی ۳۰۷ھ

(۱۳) تہذیب الآثار للامام محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ وغیرھا

فقط۔ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

رشید احمد

۳ رذیقعدہ ۱۳۸۲ھ، یوم الجمعۃ